جون ۸۹

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

اُمتِ مسلمہ بالخصوص مسلمانانِ پاکستان کے زوال و ضعف کے اسباب
انتخابی سیاست کے میدان میں مذہبی عناصر کا ضیاع نیز نفع و نقصان
اور دینی عناصر کے لیے قرآن حکیم کا سہ نکاتی پروگرام

امیر تنظیم اسلامی کے فکر انگیز خطاباتِ جمعہ کی تلخیص

یکے از مطبوعات

تنظیمِ اسلامی

PID(I)SC(P/2/89

SCAN

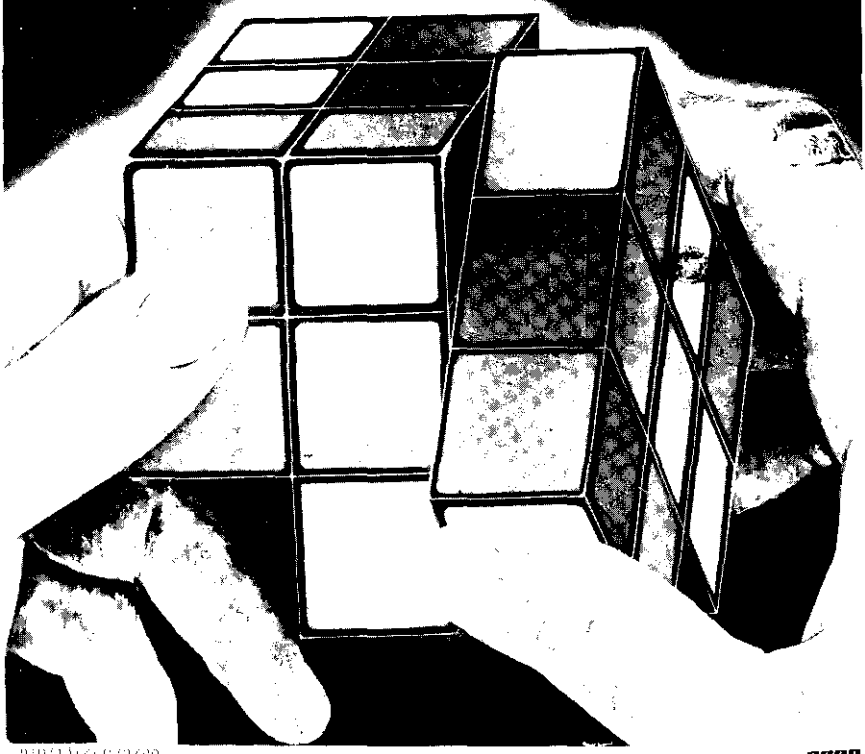

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد: ۳۸
شمارہ: ۵
ذیقعد ۱۴۰۹ھ
جون ۱۹۸۹ء
فی شمارہ ۵/-
سالانہ زرتعاون ۵۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوہا، قطر، متحدہ عرب امارات - ۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا - ۶ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ - ۹ امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ - ۱۲ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ۔ ماڈل ٹاؤن فیروزپور روڈ۔ لاہور (پاکستان)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴
سب آفس: ۱۱- داؤد منزل نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶
پبلشرز: لطف الرحمٰن خان طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

■ عرضِ احوال ——— ۳

عاکف سعید

■ تذکرہ وتبصرہ ——— ۹

● عالمی امّت مسلمہ بالخصوص مسلمانانِ پاکستان کے
زوال و اضمحلال کے اسباب

● مذہبی عناصر
انتخابی سیاست میں ناکام، احتجاجی و مظاہراتی سیاست میں کامیاب

● دینی عناصر کے لیے
قرآن کانسہ نکاتی پروگرام اور چند عملی مشورے
ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے تین فکر انگیز خطاباتِ جمعہ کی تلخیص

■ قندِ مکرّر ——— ۵۱

نوارا تلخ ترمے زن .....

مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ

■ رفتارِ کار ——— ۵۷

ماہِ صیام کے دوران رفقائے تنظیم کی دعوتی و تحریکی سرگرمیاں
مرتّب: چوہدری غلام محمد

■ رپورتاژ ——— ۶۳

صومِ نہار اور قیامِ لیل
ماہِ صیام کے دوران متحدہ عرب امارات میں
امیرِ تنظیم اسلامی کا دورۂ ترجمۂ قرآن اور دیگر تحریکی سرگرمیاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

اس سال ماہ رمضان المبارک کے دوران دورۂ ترجمۂ قرآن کے ضمن میں ایک ایسا معاملہ پیش آیا کہ جس کے بارے میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بظاہر شر کے پردے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے حق میں ایک بڑے خیر کا ظہور ہوا اور اس کے سبب سے دورۂ ترجمۂ قرآن کی بازگشت نہ صرف یہ کہ ہمارے ملک کے چوٹی کے دارالعلوموں میں سنائی دی بلکہ اس پروگرام کی تصویب و توثیق ملک کے اکابر علماء کی جانب سے بھی ہوگئی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کراچی میں ناظم آباد کی ایک مسجد میں رفیق تنظیم محترم حافظ محمد رفیق صاحب قرآن حکیم کے ترجمے کا دورہ کرا رہے تھے۔ ابھی رمضان المبارک کا پہلا عشرہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ بعض لوگ بنوری ٹاؤن کے مدرسے سے، جو بلاشبہ ایک عظیم دینی درسگاہ ہے، ایک فتویٰ لے کر آئے جس کی رُو سے دورۂ ترجمۂ قرآن خلافِ شرع قرار پاتا تھا۔ ہمارے لیے یہ امر اگرچہ کسی قدر اطمینان بخش تھا کہ یہ فتویٰ جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے رئیس دارالافتاء اور بزرگ استاذ مولانا مفتی ولی حسن صاحب کا تحریر کردہ نہ تھا بلکہ کسی جونیئر استاذ کا مرتب کردہ تھا۔ تاہم تشویش اپنی جگہ موجود تھی۔ چنانچہ فوری طور پر ایک استفتاء مرتب کر کے لاہور کی چوٹی کی دو دینی درسگاہوں یعنی جامعہ اشرفیہ اور جامعہ نعیمیہ میں اور کراچی میں مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ 'دارالعلوم' میں بھجوایا گیا تاکہ صورتِ مسئلہ کے بارے میں رہنمائی حاصل ہو سکے۔ یاد رہے کہ اس سے قبل پچھلے سال بھی ایک حلقہ کی جانب سے دورۂ ترجمۂ قرآن کی مخالفت میں آواز اٹھی تھی لیکن اس وقت یہ مخالفت چونکہ کسی مستند دارالعلوم یا ثقہ عالم دین کی طرف سے نہیں تھی بلکہ ایک ایسے حلقے کی طرف سے ترجمۂ قرآن کے پروگرام کو بدعت قرار دیا گیا تھا جو دین کے بارے میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ہر تشریح و تعبیر کی مخالفت کو غالباً اپنا فرضِ منصبی گردانتا ہے لہٰذا اسے ہم نے قابلِ اعتنا نہ سمجھا تھا۔ تاہم اس بار معاملہ مختلف تھا۔ لیکن الحمد للہ کہ مذکورہ بالا تینوں دارالعلوموں کے بلند پایہ مفتی حضرات نے نہ صرف یہ کہ ترجمۂ قرآن کے پروگرام کے جواز کا فتویٰ دیا بلکہ بعض نے

کچھ شرائط کے ساتھ اسے بہتر اور مستحسن بھی قرار دیا۔ رفقاء و احباب کی دلچسپی کے پیشِ نظر ہماری جانب سے بھیجا جانے والا استفتاء اور اس کے جوابات پیشِ خدمت ہیں۔

استفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مورخہ ۷ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ

السلام علیکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل کچھ لوگوں نے قرآن کریم کی تعلیمات مسلمانوں میں عام کرنے کی غرض سے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ رمضان المبارک میں قیام اللیل کی نیت سے تراویح اس طرح ادا کی جاتی ہے کہ ہر چار رکعت کے بعد تراویح میں پڑھے جانے والے قرآن کریم کی اوّلاً ترجمہ اور مختصر تشریح بیان کی جاتی ہے اور پھر حافظ صاحب چار رکعت تراویح سناتے ہیں۔ اس طرح ترجمہ اور تشریح میں ۴۵ منٹ صرف ہوتے ہیں اور نماز میں ۱۵ منٹ۔ بارہ رکعت کے بعد ۱۵ منٹ چائے کا وقفہ ہوتا ہے اس طرح تقریباً ۵ گھنٹے صرف ہو جاتے ہیں۔ اب اس بارے میں یہ دریافت کرنا ہے کہ:

۱۔ کیا یہ طریقہ عبادت "بدعت حسنہ" کی تعریف میں آتا ہے؟

۲۔ کیا ہمارے اسلاف میں اس طریقہ کی کوئی مثال ملتی ہے؟

۳۔ کیا اس سے ترویحہ کی روح ختم ہو جاتی ہے؟

۴۔ کیا اس طرح مسنون تراویح ادا ہو جاتی ہے؟

۵۔ کیا اس طرح قیام اللیل کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے؟

ازراہِ کرم ان سوالات کے جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

شکریہ والسلام علیکم

دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء کی جانب سے مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ کی توثیق و تصویب کے ساتھ اس استفتاء کا حسبِ ذیل جواب موصول ہوا

الجواب

"طریقہ بالا کے مطابق تراویح ادا کرنا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، ایک یہ کہ اس طرح تراویح ادا کرنے کو شرعی لحاظ سے واجب یا سنّت نہ سمجھا جائے، دوسرے یہ کہ جہاں تراویح بغیر ترجمہ اور تشریح کے ہوتی ہوں، ان تراویح کو غلط یا ناقص نہ سمجھا جاتا ہو اور ان پر طعن و تشنیع نہ کی جاتی ہو، تیسرے ذکر کردہ

طریقہ سے تراویح ادا کرنا شریک ہونے والوں پر اکتاہٹ اور بوجھ کا باعث نہ ہو، چوتھے یہ سب کچھ ایسے انداز سے ہوتا ہو کہ جو لوگ اس میں شریک نہ ہوں، ان کے ذکر و تلاوت یا آرام و راحت میں خلل نہ آتا ہو۔ مثلاً تلاوت، ترجمہ و تشریح کے لیے لاؤڈ سپیکر اگر استعمال ہوتا ہو تو اس کی آواز مسجد کے اندر اندر رہتی ہو مسجد کے باہر نہ جاتی ہو ——— اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو پھر تراویح کا یہ طریقہ درست نہیں واجب الترک ہے۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۲ — ۹ — ۱۴۰۹ھ

بندہ: عبدالرؤف سکھروی
دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴"
۱۲ — ۹ — ۱۴۰۹ھ
نائب مفتی دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

جامعہ نعیمیہ لاہور کے مفتی محمد حسین نعیمی صاحب مدظلہ کی جانب سے اس استفتاء کا حسب ذیل جواب موصول ہوا۔

" الجواب ھوالموفق للصواب

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے رمضان المبارک میں قرآن کریم کو تراویح میں سننا اور سنانا سُنّت ہے یہ اس لیے کہ شریعت کا منشاء یہ ہے کہ کم از کم سال میں ایک بار تمام مسلمان قرآن کریم یعنی اللہ تعالیٰ کے فرامین و احکام کو تازہ کر سکیں اور ہر مسلمان قرآن کریم میں ارشاداتِ الٰہی سے واقف ہو، خوش نصیب ہیں وہ افراد جو عربی زبان سے واقف ہیں اور قرآن کریم کے احکام سے بلاواسطہ واقفیت کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ عربی سے ناواقف افراد کے لیے اگر کسی دوسری زبان میں تشریح کی جائے تو اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

نیز تراویح کی تمام رکعات میں اتصال ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر چار رکعت کے بعد وقفہ کیا جاتا ہے جس کو فقہ میں 'ترویحہ' کہتے ہیں۔ 'تراویح' اس کی جمع ہے۔ تراویح کے پڑھنے میں عجلت اور تسلسل مطلوب و مرغوب نہیں ہے۔ ابتدائے دورِ صحابہ میں کعبہ مکرمہ میں ہر چار رکعت کے بعد خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ لہٰذا نیک مقصد اور تبلیغ کے لیے ہر چار رکعت کے بعد ان میں پڑھے ہوئے قرآن کریم کی تشریح کی جائے تو یہ ہر طرح شرعاً مطلوب و محبوب ہے۔ لیکن ہر شخص پر اس میں شرکت ضروری قرار نہ دی جائے، باذوق اور اسلام سے لگاؤ رکھنے والے شریک ہوں تو بہتر ہے اور شرعاً جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

مفتی محمد حسین نعیمی دارالافتاء۔ جامعہ نعیمیہ، لاہور"

جامعہ اشرفیہ لاہور کے دارالافتاء سے اس استفتاء کے سوالات کے ترتیب وار مختصر جوابات موصول ہوئے۔

پہلے سوال کے جواب میں فرمایا گیا کہ اس طریقۂ عبادت کو لازمی قرار دینا بدعت ہے اسلاف میں اس طرح کی کسی مثال کے بارے میں سوال کے جواب میں لاعلمی کا اظہار کیا گیا۔ اس سوال کا جواب کہ "کیا اس طرح تروایح کی روح ختم ہو جاتی ہے" نفی میں دیا گیا۔ چوتھے سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ اس طرح مسنون تراویح ادا ہو جائے گی۔ آخری سوال قیام اللیل کے مقصد کے بارے میں تھا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ مقصد حاصل ہو جائے گا بشرطیکہ کوئی غیر شرعی کام نہ کیا جائے۔

آخر میں جناب مفتی صاحب مدظلہ نے اپنا نوٹ بایں الفاظ تحریر کیا:

"اگر لوگوں پر بار ہوتا ہو تو صرف تراویح میں قرآن پڑھنے پر ہی اکتفا کیا جائے اور ترجمہ و تفسیر کسی دوسرے وقت میں بیان کیا جائے۔ اور اگر رات کو لوگوں پر بار نہ ہو تو تراویح کے درمیان یا بعد میں بیان کرنا درست ہے۔" فقط واللہ اعلم بالصواب

دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور

۱۲ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ

مذکورہ بالا استفتاء اور اُن کے جوابات سے درج ذیل اُمور بالکل واضح ہو کر سامنے آتے ہیں:

(۱) اِس طریقۂ عبادت کو بدعت قرار دینا درست نہیں۔ ہاں اگر اسے لازمی سمجھ لیا جائے اور یہ باور کیا جانے لگے کہ تراویح صرف اِسی طور سے پڑھنا جائز اور درست ہے تب یہ بدعت اور خلافِ شرع قرار پائے گا۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ ہم نے تراویح کے ساتھ ترجمۂ قرآن کو نہ کبھی لازم سمجھا اور نہ کبھی اسے فرض و واجب قرار دیا۔ ہمارے نزدیک کوئی نہایت احمق یا بدنیت شخص ہی یہ جسارت کر سکتا ہے۔ لیکن ہمیں تعجب ہوتا ہے اُن لوگوں کے حال پر جو نمازِ تراویح کے ساتھ ترجمۂ قرآن کو بدعت اور غیر مشروع قرار دینے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ یہ اُسی نوع کا معاملہ اور اضافہ ہے جس قسم کا اضافہ ہمارے ہاں جمعے کے نظام میں رائج اور مقبول ہے۔ دیکھئے نمازِ جمعہ کی خصوصی اہمیت خطبۂ جمعہ کی وجہ سے ہے۔ اور خطبۂ جمعہ کا اصل مقصود ہے تذکیر و موعظت! لیکن خطبہ چونکہ اصلاً عربی زبان میں ہوتا ہے اور عربی زبان سے ہماری عظیم اکثریت ناواقف و نابلد ہے لہٰذا اصل مقصود یعنی تذکیر کو کسی نہ کسی درجے میں حاصل کرنے

کے لیے علماء کرام نے خطبے سے قبل اردو زبان میں بیان و تقریر کا سلسلہ شروع کیا جسے نہ صرف یہ کہ تمام مسالک کے فقہاء سند جواز عطا کرتے ہیں بلکہ اس پر سب عمل پیرا بھی ہیں۔ تراویح میں قرآن سننے اور سنانے سے اصل مقصود بھی یہ ہے، جیسا کہ جامعہ نعیمیہ لاہور کے محترم مفتی محمد حسین نعیمی مدظلہ نے تحریر فرمایا ہے کہ "شریعت کا منشا یہ ہے کہ سال میں کم از کم ایک بار تمام مسلمان قرآن کریم یعنی اللہ تعالیٰ کے فرامین و احکام کو تازہ کر سکیں اور ہر مسلمان قرآن کریم میں ارشاداتِ الٰہی سے واقف ہو"۔ لیکن یہاں بھی حصولِ مقصد کی راہ میں وہی رکاوٹ سامنے آتی ہے جس کا تذکرہ خطبۂ جمعہ کے ضمن میں کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اگر ہر چار رکعت تراویح سے قبل پڑھی جانے والی آیات کا ترجمہ مع مختصر تشریح کے بیان کر دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ یہ طریقہ شریعت کے منشا کے عین مطابق بھی ہے۔

(ii) محترم مفتی نعیمی صاحب نے لفظ 'تراویح' کی وضاحت فرما کر اس وسوسے کے ازالے کا سامان بھی کر دیا کہ ترجمۂ قرآن کے ساتھ تراویح ادا کرنے سے ہر چار رکعت کے درمیان میں جو وقفہ آجاتا ہے اس سے شاید اس عبادت کی روح مجروح ہوتی ہو۔ مفتی صاحب نے وضاحت فرمادی کہ اس عبادت کو تراویح کہا ہی اس لیے جاتا ہے کہ اس میں ہر چار رکعت کے بعد وقفہ کرنا مطلوب و محمود ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ ان وقفوں میں اگر قرآن ہی کا بیان ہو اور اس طرح قرآنی آیات کو سمجھنے سمجھانے اور پھر تراویح کی رکعات میں اُن آیات کی سماعت ہی میں تمام رات بسر ہوتی ہو اور مقصود یہ ہو کہ قرآن کے انوار اور اس کی برکات کو زیادہ سے زیادہ سمیٹا جا سکے تو یہ وہ چیز ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان کے مطابق نہایت پسندیدہ ہی نہیں، آخرت میں قرآن کی شفاعت کا حقدار بنانے والی بھی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

اَلصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَىْ رَبِّ اِنِّىْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ

"روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا

کرنے سے روکے رکھا تھا' آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما
اور قرآن کہے گا کہ : میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے
روکے رکھا تھا' پس آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما چنانچہ روزہ
اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی ۔

اِس حدیثِ مبارکہ میں "منعتہُ النوم باللیل" کے الفاظ پر توجہ مرکوز کیجئے تو معلوم ہو گا کہ اگرچہ رمضان المبارک میں راتوں کو جاگ کر عبادت کرنا دن کے روزے کی طرح فرض نہیں قرار دیا گیا لیکن مطلوب یہی ہے کہ انسان ماہِ صیام کی راتیں جاگ کر گزارے ، اور اس شب بیداری میں بھی محض تسبیحات پھیرتے رہنے یا نوافل کے ڈھیر لگانے سے اس حدیث کا منشا پورا نہیں ہو گا بلکہ مقصود یہ ہے کہ قرآن کی معیت میں رات بسر کی جائے ۔ نوافل میں قرآن کا زیادہ سے زیادہ حصّہ پڑھنا اور اس کے انوار سے اپنے سینے کو منور کرنا یقیناً افضل ہے ، لیکن اگر قرآن کو سمجھنے سمجھانے پر بھی وقت لگایا جائے تو اس سے بھی وہ مقصد پورا ہوتا ہے جس کا اشارہ ' منعتہ النوم باللیل ' کے الفاظ میں ملتا ہے ۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں منشائے شریعت کے مطابق اپنے عمل کو ڈھالنے اور رمضان المبارک کی راتوں کو اس طور پر گذارنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا بشارت اور قرآن کی شفاعت کے حقدار بن سکیں (آمین)

اسلام آباد کمیونٹی سنٹر میں امیر تنظیم اسلامی کے ماہانہ درسِ قرآن کا سلسلہ گذشتہ چند ماہ سے تعطّل کا شکار ہے اور راولپنڈی / اسلام آباد میں مقیم تنظیم اسلامی کے رفقاء و احباب اور شرکائے درس اس کے بارے میں تشویش میں مبتلا ہیں ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل صورتِ حال سے رفقاء و احباب کو آگاہ کر دیا جائے ۔

امیر تنظیم اسلامی کے دروسِ قرآن و خطاباتِ عام کے سلسلے میں اگرچہ تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس مشاورت کا اصولی فیصلہ تو یہ تھا کہ بیرون لاہور اس نوع کے تمام پروگرام حتی الوسع کم کر دیئے جائیں تاکہ امیر تنظیم کو مرکز میں رہ کر قرآن اکیڈمی کے معاملات اور تصنیف و تالیف کی جانب توجہ دینے کے لیے مناسب فراغت میسّر آسکے ، تاہم کراچی اور اسلام آباد کے ' شام الہدیٰ ' پروگراموں کے بارے میں رائے یہ بنی تھی کہ ایک سال کے

(باقی ، صفحہ ۴۲)

تذکرہ وتبصرہ

ڈاکٹر اسرار احمد

عالمی اُمّتِ مسلمہ بالخصوص مسلمانانِ پاکستان کے زوال و اضمحلال کے اسباب

۵ مئی ۸۹ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

ترتیب وتسوید: حافظ خالد محمود خضر

ابوظبی میں دورہ ترجمۂ قرآن کی تکمیل کے بعد پاکستان واپس پہنچ کر امیر تنظیم اسلامی نے مسلسل تین خطاباتِ جمعہ میں ملک و ملّت کے بعض نہایت اہم مسائل پر اظہار خیال فرمایا۔ ان خطبات کو بجا طور پر قومی ملّی و سیاسی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کے فکر کا نچوڑ قرار دیا جا سکتا ہے۔ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر تینوں خطابات کا خلاصہ 'تذکرہ و تبصرہ' کے مستقل عنوان کے تحت ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ پہلا خطاب رفیقِ محترم حافظ خالد محمود خضر کا مرتب کردہ ہے جبکہ دیگر خطابات کی تلخیص چونکہ ہفت روزہ 'ندا' کے صفحات کی زینت بن چکی تھی لہٰذا انہیں 'ندا' کے تشکر یے کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ ادارہ

ماہ رمضان المبارک 'نیکیوں کا موسم بہار رخصت ہو رہا ہے۔ لائقِ تہنیت و مبارکباد ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس کی برکتوں اور سعادتوں سے بھرپور فیض حاصل کیا اور لائقِ ہمدردی و تعزیت ہیں وہ کہ جن کی زندگیوں میں یہ ماہ مبارک آیا لیکن وہ اس کی برکتوں اور سعادتوں سے محروم رہے۔

اس ماہِ مبارک کے دو حصے ہیں ــــ دن کا روزہ اور رات کا قیام۔ بدقسمتی سے ایک

طویل عرصے سے ہماری پوری توجہ اس کے پہلے حصے ہی پر مرتکز رہی اور اس کے دوسرے حصے کی حیثیت محض رسمی سی ہو کر رہ گئی تھی۔ دین کے معاملات میں زوال و اضمحلال کی وجہ سے بہت سے پہلوؤں سے ہمارے تصورات میں محدودیت پیدا ہوئی اور بحیثیت مجموعی ایک رسمیت (RITUALISM) اور محض ایک ظاہر پرستی کا معاملہ ہوا' اور بعض معاملات ایسے ہیں کہ جن سے ان کی روح بالکل ختم ہو کر رہ گئی۔ انہی میں سے ایک معاملہ ماہ رمضان المبارک کا ہے۔ رمضان المبارک کے پروگرام کی اصل روح روزہ نہیں بلکہ قرآن حکیم سے استفادہ ہے۔ روزہ بھی درحقیقت اسی لئے فرض کیا گیا کہ اس کا حاصل' انس کی غرض وغایت اور اس کا نتیجہ تقویٰ ہے' جو قرآن حکیم سے انتفاع اور استفادے کی شرطِ لازم ہے۔ دن بھر روزہ رکھ کر' اپنے حیوانی تقاضوں پر قدغن کو برداشت کرتے ہوئے' تقویٰ کی جو بھی پونجی ہاتھ آئے اسے لیکر اب رات کو اللہ کے حضور قیام کیا جائے تاکہ باطن پر قرآن مجید کا ترشح ہو' ضمیر پر قرآن کا نزول ہو' جس کی بہترین تعبیر علامہ اقبال نے بایں الفاظ کی ہے کہ ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی' نہ صاحبِ کشاف

یہ درست ہے کہ تفسیریں قرآن فہمی میں ممد ہیں' لیکن واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا فہم انسان پر اسی وقت کھلتا ہے جبکہ اس کے اپنے دل پر اس کا نزول ہو۔ دوسرے یہ کہ انسان اس جدّوجہد میں عملاً مشغول ہو جائے کہ جس کی طرف قرآن حکیم رہنمائی کرتا ہے۔ آپ جوں جوں اس راہ میں قدم بڑھاتے چلے جائیں گے قرآن اپنے آپ کو آپ پر' آپ کے شعور پر REVEAL کرتا جائیگا اور آپ پر اس کے علم و حکمت اور معرفت کے موتی اور عملی رہنمائیاں منکشف ہوتی چلی جائیں گی۔ لیکن اگر آپ اس کے لئے ایک قدم اٹھانے پر آمادہ نہیں ہوں گے اور بس الفاظ و معانی کی لغوی بحثوں میں پڑے رہیں گے تو یہ قرآن کے شہرِ معنیٰ کے ارد گرد چکر لگانے کے مترادف ہو گا اور آپ اس میں داخل نہ ہو سکیں گے۔

صیام اور قیام ـــــ دو متوازی پروگرام

رمضان المبارک کے دو حصوں میں سے دن کا روزہ تو ہر تندرست' مقیم مسلمان پر فرض کیا گیا ہے' لیکن یہ اللہ کی شفقت اور اس کی شانِ رؤفی و رحیمی کا ایک مظہر ہے کہ اس نے اس کے دوسرے حصے کو ہر مسلمان پر فرض نہیں کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی امت کے

حق میں رؤف و رحیم ہیں۔ آپؐ کی شفقت ملاحظہ ہو کہ تین دن نمازِ تراویح مسلمانوں کے ساتھ با جماعت ادا کی، لیکن چوتھے روز آپؐ اس کے لئے اپنے حجرۂ مبارکہ سے بر آمد نہیں ہوئے کہ کہیں آپؐ کی مداومت کے باعث یہ عبادت امّت پر فرض نہ کر دی جائے۔ اللہ کے علم میں ہے کہ اس کے کتنے ہی بندے ایسے ہیں جو دن بھر شدید محنت و مشقت پر مجبور ہیں اور ان کے لئے پوری رات کا جاگنا ممکن نہیں ہے۔ انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے اور اس کی کمزوریوں سے اس کے خالق سے بڑھ کر اور کون واقف ہو گا؟ بفحوائے الفاظ قرآنی: اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ "کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا؟" چنانچہ اس دوسرے حصے کو فرض نہیں کیا گیا، لیکن اس کے لئے ترغیب و تشویق کا ایسا انداز اختیار کیا گیا کہ ہر مسلمان کے لئے جتنا ممکن ہو اس کے اندر آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔ ہدف یہ سامنے رکھے کہ دن کا روزہ اور رات کا قیام دونوں پروگرام بالکل متوازی (PARALLEL) اور ہم وزن ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دن اپنے خطبے میں، جسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے، رمضان المبارک کی فضیلت بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: جَعَلَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ فَرِیْضَۃً وَ قِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعًا "اللہ نے اس کا روزہ رکھنا فرض قرار دیا اور اس کی راتوں کے قیام کو (بندوں کی) مرضی پر چھوڑ دیا ہے"۔ لیکن یاد رکھئے کہ مرضی پر تو ہر رات ہے۔ اللہ کے بندے رمضان کے علاوہ بھی راتوں کو جاگتے ہیں۔ رمضان مبارک میں اس کی طرف اشارہ کر کے گویا خصوصی ترغیب دلا دی گئی۔

یہاں ایک اور نکتہ غور طلب ہے کہ ہم نے "قیام لیلہٖ" سے صرف نماز تراویح مراد لے لی ہے، جبکہ احادیث میں دن کا روزہ اور رات کا قیام دونوں چیزیں متوازن اور متوازی طور پر آتی ہیں۔ مثلاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق جو متفق علیہ ہے، حضورؐ نے ارشاد فرمایا: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ - وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ ..... "جس نے روزے رکھے رمضان میں ایمان اور احتساب کے ساتھ بخش دیئے گئے اس کے تمام پچھلے گناہ اور جس نے قیام کیا رمضان (کی راتوں) میں ایمان و احتساب کے ساتھ اس کے بھی بخش دیئے گئے تمام پچھلے گناہ"۔ آپ خود اندازہ کر لیجئے کہ "صَامَ رَمَضَانَ" اور "قَامَ رَمَضَانَ" کے الفاظ کس قدر متوازن ہیں اور اسلوب میں کس قدر مشابہت ہے۔ اسی طرح عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں، جسے امام بیہقی

شعب الایمان میں لائے ہیں، حضورؐ نے فرمایا: الصِّیامُ و القرآنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ "روزہ اور قرآن ایک بندۂ مومن کے حق میں شفاعت کریں گے" - یَقُولُ الصِّیامُ ای ربِّ منعتُه الطّعامَ و الشّھواتَ بِالنّھارِ فَشَفِّعْنِی فِیه "روزہ کہے گا کہ اے رب میں نے اسے دن کے وقت کھانے پینے اور شہوانی خواہشات سے روکے رکھا، پس اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرما!" وَ یقولُ القرآنُ منعتُه النّومَ بِاللّیل فَشَفِّعْنِی فیه "اور روزہ کہے گا کہ میں نے اسے رات کے وقت سونے سے روکے رکھا، پس اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما!" فَیُشَفَّعَان - "پس ان دونوں کی شفاعت قبول ہوگی" - اب کیا ہم بس گھنٹہ بھر جاگ لینے سے قرآن کی اس شفاعت کا مصداق بن جائیں گے؟ حدیث کا مفہوم تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے دن بھر بھوک وغیرہ سے رکے رہے، اسی طرح رات بھر نیند سے رکے رہنا اور قرآن کے ساتھ جاگنا، یہ ہے وہ شے کہ جس کی بنیاد پر قرآن حکیم شفاعت کرے گا۔ یہ درست ہے کہ خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف نماز تراویح ہی کا با جماعت اہتمام فرمایا، لیکن حضرت عمرؓ کے اس اقدام میں امّتِ مسلمہ کی عظیم اکثریت کی مصلحت پیش نظر تھی کہ ہر مسلمان بیس رکعت تک تو با جماعت ادا کرلے۔ محنت و مشقت کرنے والا مسلمان بھی ڈیڑھ دو گھنٹے تو رات کو نکال ہی سکتا ہے۔ آج ہم نے اس تراویح کو بھی ایک رسم (RITUAL) بنالیا ہے اور وہ بھی اس بھونڈے طریقے پر ادا ہورہی ہے کہ لوگ کسی طوفان میل حافظ کو تلاش کرتے ہیں جو کم سے کم وقت میں اس رسم کو پورا کردے۔ بہرحال دین کی روح یہ معلوم نہیں ہوتی۔ قرآن کریم جب ماہِ رمضان المبارک کا تعارف کراتا ہے تو وہ اسی اعتبار سے کہ شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ۔ یہ تو وہ ماہِ مبارک ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر اس ماہ کو روزے کی عظیم عبادت کے لئے منتخب کیا گیا اور اس میں پیش نظر یہی ہے کہ آدمی قرآن کی قدر و قیمت سے آگاہ ہو جائے اور بے اختیار اس کے قلب کی گہرائیوں سے اللہ کی حمد و ثنا کے چشمے جاری ہو جائیں۔ از روئے الفاظ قرآنی وَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ۔

تحدیثِ نعمت

اس ضمن میں مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر اللہ تعالیٰ کا جو خصوصی فضل ہوا ہے، اسے میں "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" کی رو سے عرض کررہا ہوں کہ گذشتہ پانچ چھ سال

سے ہم نے نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمۂ قرآن کا سلسلہ شروع کیا ہے اور رمضان میں ہماری پوری پوری راتیں قرآن کے ساتھ بسر ہوتی ہیں۔ چند سال لاہور اور کراچی میں یہ کام کرنے کے بعد اس دفعہ میں نے ابوظہبی میں چوبیس راتوں میں دورۂ ترجمۂ قرآن مکمل کیا ہے۔ اگلے سال کے رمضان کے لئے شکاگو کے احباب نے مجھ سے وعدہ لے لیا ہے اور بشرط زندگی، بشرطِ صحت وعافیت اور حالات کی موافقت اور یہ تمام شرائط ایک شرط میں مضمر ہیں کہ اگر اللہ نے چاہا تو آئندہ سال میں دورۂ ترجمۂ قرآن شکاگو میں کروں گا اور ان احباب کے اصرار پر یہ دورۂ ترجمۂ قرآن انگریزی زبان میں ہوگا۔

عدو شرّے برانگیزد . . . . .

اس سال اس دورۂ ترجمہ قرآن کے ضمن میں ایک عجیب معاملہ پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ "وہ مردہ میں سے زندہ کو برآمد کرتا ہے اور زندہ میں سے مردہ کو نکالتا ہے"۔ اسی طرح اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ شر میں سے خیر برآمد فرما دیتا ہے۔ پچھلے سال ہمارے اس کام کے بارے میں کچھ چہ میگوئیاں ہوئیں کہ یہ ایک بدعت شروع ہوگئی ہے، اس طرح ساری ساری رات جاگنا تو بالکل ایک نئی رسم ہے جو اسلاف میں نہیں پائی جاتی۔

یہ بات ایک ایسے حلقے کی طرف سے آئی تھی جو میرے نزدیک 'حدِ رجم' ایسی شے کو، جس پر پوری امت کا تواتر کے ساتھ اجماع ہے، رد کرنے کے باعث منکرینِ سنّت میں شامل ہے۔ ان لوگوں کے منہ پر اب یہ بات سجتی ہی نہیں کہ وہ سنّت اور بدعت کی بات کریں، لہٰذا ہم نے ان کو لائقِ اعتناء نہیں سمجھا۔ اس مرتبہ اس سلسلے میں جامعہ اسلامیہ، بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء سے ایک فتویٰ آگیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی زیر تربیت نوجوان مفتی صاحب جنہیں کسی سبب سے ہم سے کوئی پرخاش ہوگی، انہوں نے فتویٰ داغ دیا کہ یہ بدعت ہے اور ضلالت و گمراہی ہے۔ اس شر میں سے اللہ نے خیر یہ برآمد کیا کہ ہمارے ساتھیوں نے جب اس سلسلے میں جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ نعیمیہ لاہور، دارالعلوم کراچی جیسے متعدد مستند دارالعلوموں کے مستند ترین اور معتمد ترین مفتی حضرات کی طرف رجوع کیا تو ان سب حضرات کی طرف سے وضاحت کے ساتھ یہ بات سامنے آئی کہ یہ ہرگز بدعت نہیں ہے، بلکہ یہی پسندیدہ ہے۔ البتہ اس میں جبر نہیں ہونا چاہئے، شرکاء کی آزاد مرضی سے یہ کام مطلوب اور مستحسن ہے.....

چنانچہ حکمتِ رمضان المبارک کا یہ حصہ جو نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا' الحمد للہ ہماری اس کوشش کے طفیل اب علمائے کرام کی سند اور ان کی تائید کے ساتھ لوگوں کے سامنے آئے گا۔ بقول اقبال۔

جو حرفِ 'قل العفو' میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار !

"نظریۂ ضرورت" اور ہمارے علمائے کرام

دین کی بہت سی حقیقتوں پر پردے پڑتے چلے گئے اور اس میں ہمارے علمائے کرام نے بھی اپنے معاشرے سے ایک طرح کی مفاہمت اور مصالحت کر لی کہ جس چیز کا چلن جس انداز میں ہو گیا اسے چلنے دیا۔ جس طرح ہماری عدالتوں کے سامنے کبھی کبھی "نظریۂ ضرورت" کا اصول آجاتا ہے اور انہیں بعض اوقات مارشل لا جیسے اقدام کے کسی نہ کسی درجے میں جواز کا فتویٰ دینا پڑتا ہے' اسی طرح ہمارے علماء کا معاملہ بھی اکثر و بیشتر یہ ہو چکا ہے کہ جن چیزوں کا رواج پڑ جائے وہ مجبوراً اس کے ساتھ مصالحت کر لیتے ہیں اور اس کی وجہ سے دین کی بہت سی چیزیں چھپتی چلی جاتی ہیں۔ اس کی ایک بہت بڑی مثال میرے سامنے اُس وقت آئی جب میں نے شادی بیاہ کے ضمن میں اصلاحی تحریک کا آغاز کیا اور سب سے پہلے میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد کا نکاح سرگودھا کی ایک مسجد میں منعقد ہوا تو مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ (سرگودھا والے) کے صاحب زادگان کو جو 'مفتیانِ شہر' مشہور ہیں مدعو کیا گیا۔ میں نے وہاں تقریر کی اور نکاح اُن سے پڑھوایا۔ انہوں نے کہا کہ "ڈاکٹر صاحب یہ ہمارے کرنے کا کام تھا' ہمارے اندر ہمت نہیں تھی' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی توفیق دی"۔ پیسے والے سیٹھ لوگ کب گوارا کر سکتے ہیں کہ ان کا دولہا مسجد میں حاضر ہو۔ وہ تو یہی چاہیں گے کہ مولوی بغل میں رجسٹر دبائے ان کے ہاں آکر سو دو سو روپے کے لالچ کے اندر بیٹھا بارات کی آمد اور نکاح کے مرحلے کا انتظار کرتا رہے۔ ہم نے اپنے علماء کے مقام کو اس درجہ گرایا ہے اور پھر انہوں نے بھی اس مقام کو مجبوراً قبول کر لیا ہے اور وہ بتاتے ہی نہیں کہ اصل بات یہ ہے جو ہمیں یوں کرنا چاہئے تھی۔ اسی طرح دیوبندی علماء کی طرف سے کچھ عرصہ قبل تک 'تیجے' یا 'سوئم' وغیرہ کی شدید مخالفت ہوتی تھی لیکن اب انہوں نے بھی اسے مشرف بہ اسلام کر کے 'قرآن خوانی' کا نام دیکر قبول کر لیا ہے۔ یہ علماء کی مجبوری ہے اور ان کے اس طرح کے اقدامات "نظریۂ ضرورت" کے تحت ہوتے ہیں۔

دورۂ ترجمۂ قرآن ـــــ قرآن سے زندہ رابطے کا ذریعہ

اسی نظریۂ ضرورت کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکمتِ رمضان المبارک سے متعلقہ دین کی ایک اہم حقیقت نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ ویسے کچھ لوگ اس کا اہتمام کرتے بھی رہے کہ نمازِ تراویح کے علاوہ بھی کچھ وقت ذکر و عبادت میں صرف ہو۔ مثلاً سہارن پور میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ کی جو خانقاہ تھی وہاں رات بھر جاگنے کا اہتمام ہوتا تھا۔ وہاں ہر چار رکعت تراویح کے بعد آدھ پون گھنٹہ کا وقفہ ہوتا جس میں لوگ اپنے طور پر ذکر و تلاوت وغیرہ میں مشغول رہتے۔ الحمد للہ کہ ہمیں اللہ نے اس بات کی توفیق عطا فرمائی اور اس کی طرف رہنمائی فرمائی کہ ہم نے دورۂ ترجمہ قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ اب اس سلسلہ کو چلنا چاہئے اور مزید آگے بڑھنا چاہئے۔ یہ کام مشکل نہیں ہے۔ ملازمت پیشہ حضرات پہلے سے طے کر لیں کہ اس ماہِ مبارک کی برکتوں سے فیض یاب ہونے کے لئے اپنی ایک ماہ کی استحقاقی چھٹی رمضان المبارک میں لیں گے۔ اس طرح یہ بہترین کمائی کا موقع ہوگا۔ اس سے بڑی کمائی اور کیا ہوگی کہ آپ راتوں کو قرآن کے ساتھ جاگیں۔ نیند کا جو طبعی تقاضا ہے وہ کسی حد تک دن میں پورا ہو سکتا ہے۔ مزید یہ کہ دن میں جو وقت نکل آئے اس میں وہ ترجمہ جو رات کو سنا ہے اسے ایک بار دہرا لیا جائے۔ اگر کوئی شخص چند سال بھی یہ کر لے گا تو قرآن کے ساتھ اس کا ایک زندہ رابطہ قائم ہو جائے گا۔

قرآن حکیم کے ساتھ میرے اپنے رابطے کا معاملہ بحمداللہ یہ ہے کہ اب میرے اکثر و بیشتر اوقات قرآن کریم پر غور و فکر اور تدبّر میں گزرتے ہیں۔ چاہے میں نے کسی مقام کا درس سینکڑوں مرتبہ دیا ہو لیکن جب اسی مقام کا دوبارہ درس دینا ہوتا ہے تو اس پر از سرِ نو غور و فکر کرتا ہوں۔ اس کے باوجود رمضان المبارک کے دورۂ ترجمہ قرآن کا سب سے بڑا فائدہ خود مجھے ہوتا ہے۔ از سرِ نو ایک 'RAPID READING' کا جو موقع ملتا ہے اس کی اپنی ایک تاثیر ہے۔ اس سے بہت سے حقائق از سرِ نو اجاگر ہو کر سامنے آتے ہیں اور بہت سے حقائق بالکل پہلی مرتبہ نگاہوں کے سامنے آتے ہیں۔ اسی اعتبار سے میں نے آج کی جمعہ کی گفتگو کے لئے یہ عنوان مقرر کیا ہے کہ امّتِ مسلمہ کے زوال اور خاص طور پر مسلمانانِ پاکستان کی موجودہ زبوں حالی کے اسباب جاننے کے لئے ہم قرآن سے رجوع کریں تو ہمیں یہ کیا جواب دیتا ہے! اس رمضان المبارک میں ایک جمعہ میں شارقہ، دو جمعوں میں ابوظہبی اور آخری دن دبئی میں خطاب کا موقع ملا۔ انہی خطابات کے اشارات آج میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

"ہیں آج کیوں ذلیل ... ؟" کا جواب قرآن سے

پہلا سوال جو ہم میں سے ہر شخص کے سامنے آنا چاہئے اور آتا بھی ہے، لیکن شاید بہت سے لوگ اس پر سوچ سوچ کر تھک گئے اور اب اس پر غور کرنا چھوڑ دیا، یہ ہے جو کبھی غالبؔ نے ان الفاظ میں کیا تھا۔

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند ؟
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں !

اور جس کا 'شکوہ' اقبالؔ نے ان الفاظ میں کیا تھا۔

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

میرے اندر اس کیفیت کا اور اس سوال کا خاص طور پر جو احساس پیدا ہوا ہے وہ اس دفعہ ابوظہبی میں پچیس روزہ قیام کے دوران ہوا۔ اندازہ یہ ہوا کہ دولت کی ریل پیل کی انتہا ہے۔ پندرہ سولہ سال قبل جہاں لق ودق صحرا تھے وہاں اب عالی شان محل اور نظر کو خیرہ کرنے والی فلک بوس عمارتیں کھڑی ہیں۔ اس اعتبار سے وہاں کا معاشرہ آج امریکی معاشرے کے قریب پہنچ چکا ہے۔ میں رات کے وقت ابوظہبی کی 'SKYLINE' دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ جیسے لاس اینجلز کا کوئی ٹاؤن ہے۔ وہی آسائشیں انہیں بھی حاصل ہیں کہ ایک گھر میں کاروں کی تعداد اس کے افراد سے زیادہ ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود جس شے کا نام عزّت و وقار ہے کیا وہ بھی کہیں دنیا میں ان کے لئے ہے؟ کہیں محسوس کیا جاتا ہو کہ یہاں بھی کوئی قوم آباد ہے اور بین الاقوامی معاملات میں ان کی رائے کا بھی کوئی وزن ہو؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ صورتحال وہ ہے جیسے اقبال نے عبدالقادر روہیلہ کے بارے میں ایک نظم کے آخر میں کہا تھا ع "حمیّت نام ہے جس کا گئی تیمور کے گھر سے" ۔ اسی طرح جس شے کا نام عزت و وقار ہے وہ امّتِ مسلمہ سے چھینی جا چکی۔ سوال ابھرتا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ آخر عزت اُن قوموں کے لئے کیوں ہے جو کھلم کھلا کافر ہیں؟ ان میں سے وہ بھی ہیں جو اللہ کو بھی نہیں مانتے اور جو اللہ کو کسی طور سے مانتے بھی ہوں تو محمدؐ رسول اللہ کو نہیں مانتے۔ کیا اللہ کو ان سے زیادہ محبت ہے؟ نہیں..... قرآن حکیم تو بار بار کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ظالموں کو، کافروں کو، مشرکوں کو پسند نہیں کرتا..... پھر کیا سبب ہے کہ ان کو دنیا میں باعزت مقام حاصل ہے اور

ذلت و رسوائی ہمارا مقدر بن چکی ہے۔ ہم چاہے کتنے گئے گزرے ہیں، مسلمان تو ہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ کا نام تو لیتے ہیں، آج بھی اس گئے گزرے دور میں اس جمعۃ الوداع کو پوری دنیا میں کروڑہا کروڑ مسلمان مسجدوں میں حاضر ہوں گے اور اللہ وحدہٗ لاشریک کے حضور میں سجدہ ریز ہوں گے..... یہ وہ سوال ہے جس پر میں پہلے بھی قرآن حکیم کی روشنی میں غور کرتا رہا ہوں اور آپ کے سامنے بھی بعض چیزیں لاتا رہا ہوں، لیکن اس مرتبہ دورۂ ترجمۂ قرآن کے دوران یہ بات اور زیادہ اجاگر ہو کر میرے سامنے آئی ہے!

نفاقِ عملی

آیئے دیکھیں کہ قرآن حکیم اس سوال کا کیا جواب دیتا ہے۔ پہلی بات یہ کہ قرآن حکیم کی نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا کفر کے مقابلے میں نفاق زیادہ ناپسند ہے۔ کافر تو برملا انکار کرتا ہے، اب اس سے کیا شکوہ و شکایت۔ اس کا تو جو حشر قیامت کو ہونا ہے وہ ہونا ہی ہے۔ لیکن جو اللہ کو ماننے اور امتیٔ رسولؐ ہونے کا دعویدار ہو، جسے عشقِ رسولؐ کا دعویٰ بھی ہو، اگر اُس کا حال یہ ہو کہ اسے اللہ کے احکام کی پروا ہو نہ رسولؐ کے فرمان کی، نہ اس کی فکر ہو کہ قرآن نے کس چیز کو حلال کیا ہے اور کسے حرام ٹھہرایا ہے، واقعہ یہ ہے کہ وہ بدترین سزا کا مستحق ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہوا: اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ..... یعنی اللہ نے منافقوں کے لئے جہنم کا بھی سب سے نچلا حصہ مخصوص کر رکھا ہے، اس لئے کہ درحقیقت اللہ کو یہ شے زیادہ ناپسند ہے اور اسی لئے سورۃ الصف میں فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ "اے ایمان کے دعویدارو، کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک بڑی شدید بیزاری کی بات ہے کہ تم وہ کہو جو کرتے نہیں!"۔ معلوم ہوا کہ یہ قول و عمل کا تضاد اللہ کے غضب کو بہت زیادہ بھڑکانے والی شے ہے بلکہ لفظ 'مقت' 'غضب' کے مقابلے میں زیادہ شدید چیز ہے۔ 'مقت' کے معنی شدید بیزاری کے ہیں۔ بیزاری اور غصے میں فرق یہ ہے کہ غصہ انسان کو وہاں آتا ہے جہاں اسے کوئی توقع ہوتی ہے، جہاں کہیں اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچتی ہے، لیکن جب توقع ختم ہو جاتی ہے تو ایک شدید بیزاری پیدا ہو جاتی ہے، پھر آدمی اظہارِ غضب کرتا ہے نہ شکوہ و شکایت، بقول غالب۔

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب　　کیا کسی کا گلہ کرے کوئی!

آج پوری امتِ مسلمہ کا حال یہ ہے کہ ہم بحیثیتِ مجموعی قول و عمل کے شدید تضاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے درحقیقت عملی نفاق میں مبتلا ہیں اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے غضب اور بیزاری کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔

احکامِ الٰہی میں تفریق

اس ضمن میں سورۃ البقرۃ کی ایک آیت میں بارہا آپ کو سنا چکا ہوں۔ آج اسے اس لڑی میں پرو کر لا رہا ہوں جس سے اس کی کچھ اور حقیقتیں منکشف ہوں گی۔ دیکھئے' "ہیں آج کیوں ذلیل.....؟" کا کس قدر واضح جواب ہمیں قرآن حکیم سے مل رہا ہے: اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ..... "کیا تم (ہماری) کتاب (اور شریعت اور ہمارے قانون) کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کا انکار کرتے ہو؟" فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ "تو نہیں ہے کوئی سزا اس کی جو تم میں سے یہ حرکت کرے گا سوائے دنیا کی زندگی میں ذلت و رسوائی کے!" اور دنیا کی زندگی کی یہ ذلت و رسوائی آج ہماری پوری امتِ مسلمہ کے ماتھے پر لکھی ہوئی ہے۔ ہم تو چلئے بھیک مانگ کر کھاتے ہیں' ہماری تو بڑی بڑی حکومتیں IMF وغیرہ کی شرائط ماننے پر مجبور ہیں' کیونکہ ظاہر ہے کہ سائل تو کہیں جا کر اپنی شرط نہیں منوا سکتا۔ لیکن میرا یہ احساس زیادہ اجاگر ہوا اپنے اُن بھائیوں میں جا کر جن کی نظر میں ہم "مساکین" ہیں' جن کے پاس دولت کے اتنے انبار جمع ہیں کہ شاید انہیں اپنی دولت کو خرچ کرنے کے لئے اب راستے یاد نہیں۔ صحرا کو گل و گلزار بنانے کے لئے ایک ایک پودے کے اوپر لاکھوں روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے۔ ابوظہبی ایئر پورٹ سے ابوظہبی شہر تک جاتے ہوئے آپ کو احساس تک نہیں ہوگا کہ آپ کسی صحرا میں سفر کر رہے ہیں۔ سڑک کے دونوں طرف نہایت خوبصورت پودے' گھاس اور پھولوں کے تختے ہیں اور اسلام آباد کے زیرو پوائنٹ سے پنڈی کے موڑ تک سڑک کی دونوں اطراف جس طرح اوپر اٹھی ہوئی ہیں اور سڑک نیچے ہے' اسی طرح انہوں نے دونوں طرف مصنوعی ابھار بنا دیئے ہیں۔ جہاں تک نگاہ جاتی ہے گل و گلزار ہے' یہ نظر نہیں آتا کہ پیچھے صحرا ہے ــــ لیکن ان کے لئے بھی دنیا میں عزت نام کی کوئی شے موجود نہیں ہے اور "خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" کی خدائی وعید پوری ہوتی نظر آتی ہے اور اسی پر بس نہیں' اس طرزِ عمل کا نتیجہ قیامت کے روز کیا نکلنے والا ہے؟ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ۔ "اور

یہ قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں جھونک دیئے جائیں گے"۔ اس کو جوڑ لیجئے اب اس آیت کے ساتھ کہ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۔ "بے شک منافق تو آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے"۔ اور یہاں بھی فرمایا: یُرَدُّوْنَ اِلٰی اَشَدِّ الْعَذَابِ ۔ "شدید ترین عذاب میں جھونک دیئے جائیں گے"۔ اس آیت میں خطاب بنی اسرائیل سے ہے جو آسمانی کتابوں کے ماننے والے تھے' لیکن ان کا طرزِ عمل یہ تھا کہ تورات کے ایک حصے کو مانتے اور ایک کا انکار کر دیتے۔ یہی آج ہم کر رہے ہیں کہ قرآن کے کچھ حکم سر آنکھوں پر رکھتے ہیں اور کچھ حکم پاؤں تلے روند دیتے ہیں۔ گویا قرآن کا یہ حصہ ناقابلِ قبول ہے' یا ہم سمجھتے ہیں کہ ناقابلِ عمل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ حالات میں کیا تبدیلیاں اور کیا مشکلات پیدا ہوں گی اور اس نے ہمیں..... معاذ اللہ..... ناقص شریعت عطا کی' جبکہ دعویٰ یہ کیا کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ۔ "آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا"۔ دین کے کسی بھی حکم کے بارے میں اگر یہ گمان کیا جائے کہ یہ ناقابلِ عمل ہے تو یہ درحقیقت کفر کے مترادف ہے۔ یہ اللہ کے علمِ کامل اور اس کی حکمتِ بالغہ کا انکار ہے اور اللہ کی اتنی بڑی بڑی صفات کا انکار اللہ کا انکار ہے۔ تو یہ ہے درحقیقت اس سوال کا جواب جو مجھے قرآن مجید سے ملا ہے۔

منافق کون ہے

اس ضمن میں ایک اشکال کی وضاحت ضروری ہے۔ ہمارے ذہنوں میں منافق کا تصور صرف یہ ہے کہ جو شعوری اور ارادی طور پر' مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی خاطر' منافقت کر رہا ہو۔ یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے اور درحقیقت یہ بھی ع "حقیقت خرافات میں کھو گئی" کے مصداق قرآن حکیم کے ایک مضمون کو گم کر دینے کے مترادف ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اہل علم جن کے ذمے تھا کہ دین کے حقائق کو واضح کریں' انہوں نے اس حقیقت کو واضح نہیں کیا۔ جان لیجئے کہ شعوری منافق تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی بہت کم تھے۔ ایسے لوگ آج بھی ہو سکتے ہیں جو مسلمانوں کے کسی ملک میں جاسوسی کرنے یا تخریب کاری کی غرض سے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر چلے آئیں' بلکہ مجھے تو یاد ہے کہ کبھی ایسی خبریں بھی پڑھنے میں آئی تھیں کہ ہمارے کسی سرحدی گاؤں میں بھارت کا ہندو جاسوس سالہا سال تک امام مسجد بن کر نمازیں پڑھاتا رہا۔ ظاہر بات ہے کہ ایسے لوگ ڈاڑھی رکھ کے' دینی تعلیم حاصل

کر کے' بلکہ ختنہ تک کرا کے آتے ہوں گے۔ لیکن ایسے شخص کو معلوم ہے کہ اس نے کبھی ایمان قبول نہیں کیا۔ اس کا یہاں داخلہ بھی دھوکے کے لئے ہے اور جب تک وہ یہ سوانگ رچائے رکھے گا اس سے اس کا مقصد دھوکہ اور فریب ہی ہوگا۔ منافق کی ایک قسم یہ بھی ہے' لیکن اصل نفاق وہ ہے جسے 'نفاقِ عملی' کہا جاتا ہے۔ یہ سب سے بڑا نفاق ہے۔ اس کا نقشہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دو احادیثِ مبارکہ میں سامنے آتا ہے۔

۱۔ عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسولُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: "اٰیۃُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ"..... زاد مسلم: "وَ اِنْ صَامَ وَ صَلّٰی وَ زَعَمَ اَنَّہٗ مُسْلِمٌ" ثم اتفقا: "اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَ اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَ اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ"۔ (متفق علیہ)۔

ترجمہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "منافق کی نشانیاں تین ہیں"۔ یہاں امام مسلمؒ نے مزید الفاظ روایت فرمائے ہیں کہ "خواہ وہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو"۔ اس کے بعد بخاریؒ اور مسلمؒ کے متفق علیہ الفاظ ہیں کہ: "جب بولے جھوٹ بولے' جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے اور جب امانت کا حامل بنایا جائے تو خیانت کا ارتکاب کرے"۔

۲۔ وعن عبداللّٰہ بن عمرو قال قال رسولُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: "اَرْبَعٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ کَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ مِنْہُنَّ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَھَا: اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَ اِذَا عَاھَدَ غَدَرَ وَ اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ"۔ (متفق علیہ)

ترجمہ..... حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چار باتیں جس شخص میں موجود ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی اس میں اسی کی نسبت سے نفاق ہوگا' یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔ (۱) جب امانت کا حامل بنایا جائے خیانت کا ارتکاب کرے' (۲) جب بات کرے جھوٹ بولے' (۳) جب عہد کرے تو بے وفائی کرے اور (۴) جب (کسی سے) جھگڑ پڑے تو آپے سے باہر ہو جائے"۔

اب امتِ مسلمہ کی حالت پر نظر کیجئے تو افراد کے استثناءات کے ساتھ' بحیثیتِ مجموعی

پوری امت میں نفاق کی یہ علامتیں نظر آئیں گی۔ یہ بڑے تلخ حقائق ہیں جن کو ہمیں دیکھنا ہوگا۔

سربلندی مومنوں کے لیے ہے

اس بحث کے آخر میں سورۂ آل عمران کی ایک آیت ملاحظہ کیجئے۔ قرآن کہتا ہے..... اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ "اگر تم مومن ہوگے تو تم ہی سربلند ہوگے!" اور یہ بات روزِروشن کی طرح واضح ہے کہ ہم سربلند نہیں ہیں' ہم تو سرنگوں ہیں۔ ہم تو اپنے دولت کے انباروں کے باوجود دوسروں کے محتاج اور ان کے در کے سوالی ہیں۔ ہماری صلح و جنگ انہی کے اشارے سے ہوتی ہے۔ ہمارے معاملات کا حل و عقد انہی کے ہاتھوں میں ہے۔ یہاں تو کچھ کٹھ پتلیاں بیٹھی ہوتی ہیں' جو یہاں کے لوگوں پر جتنی چاہے اپنے اقتدار کی دھونس جمالیں اور اپنی سطوت کی چمک دکھالیں' لیکن ان کی اپنی ڈوریاں اور ہاتھوں میں ہوتی ہیں..... اب اس آیۂ کریمہ کو سامنے رکھیں تو ہمارے لئے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو یہ مانئے کہ ہم مومن نہیں ہیں' یا یہ کہئے کہ قرآن کی بات غلط ہے' اللہ کا کلام جھوٹا ہے۔ معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ! آج "عالم اسلام" موریطانیہ سے لے کر انڈونیشیا اور ملائشیا تک کتنے بڑے رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ میں ہندوستان کو بھی عالم اسلام میں شامل کرتا ہوں کیونکہ ہندوستان بالقوہ (POTENTIALLY) دارالسلام ہے۔ یہ ایک ہزار برس تک دارالسلام رہا ہے اور انشاء اللہ پھر بنے گا۔ اس وقت اگر نہیں ہے تب بھی آج کی دنیا میں مسلمانوں کی سب سے بڑی آبادی بھارت میں ہے۔ وہاں سرکاری اعداد و شمار میں مسلمانوں کی صحیح تعداد ظاہر نہیں کی جاتی اور یہ تعداد بارہ کروڑ بتائی جاتی ہے' لیکن آج وہاں کے ہندو لیڈر بھی جب گفتگو کرتے ہیں تو ان کی زبانوں پر پندرہ سولہ کروڑ کا عدد آتا ہے اور مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی کم از کم تعداد اٹھارہ کروڑ ہے۔ معلوم دنیا میں کسی اور ملک میں اتنے مسلمان جمع نہیں ہیں..... موریطانیہ سے لے کر انڈونیشیا کے بعید ترین جزیروں پر مشتمل اس خطۂ ارضی میں کون سی شے ہے جو موجود نہیں ہے؟ اس کے اندر دنیا کی زرخیز ترین زمینیں شامل ہیں' یہاں دنیا کے بہترین ذرائع و وسائل موجود ہیں' یہاں تیل جیسی دولت کے سب سے بڑے ذخائر ہیں' سبھی کچھ ہے لیکن افسوس کہ عزت نام کی شے کا وجود نہیں! سب اس ذلت و خواری کا ــــ ان آیاتِ قرآنیہ کی رو سے ــــ یہ ہے کہ ہم امت کی سطح پر بحیثیت مجموعی عملی نفاق میں مبتلا ہیں اور قول و عمل کے تضاد کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور یہ طرزِ عمل اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا کفر سے بھی زیادہ

ناپسند ہے۔ تو یہ ہے "ہیں آج کیوں ذلیل.....؟" کا جواب جو قرآن حکیم ہمارے سامنے رکھتا ہے۔

اسلامیانِ پاکستان کا خصوصی انحطاط

اس ضمن میں اگلا مسئلہ مسلمانانِ پاکستان کے زوال و اضمحلال سے متعلق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس قدر ذلت و رسوائی آج ہمارے سر پر مسلط ہے وہ شاید دنیا میں اس وقت کسی اور مسلمان قوم کا نصیب نہیں ہے۔ پستی کی جس حد تک ہم پہنچ گئے ہیں اس پر عرب و عجم کا اور کوئی ملک نہیں۔ مصر اور ترکی کا بہرحال کچھ وقار ہے۔ ایران نے بھی دنیا میں بڑی عزت حاصل کی ہے۔ اس نے اگرچہ اپنی بعض غلطیوں کی وجہ سے اس کا ایک بڑا حصہ کھو بھی دیا ہے لیکن ایک دفعہ تو اس نے دنیا کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا تھا اور ع "لڑا دے ممولے کو شہباز سے" کا نقشہ دکھا دیا تھا۔ انڈونیشیا' ملائشیا اور دیگر مسلمان ممالک اس صورت حال سے دوچار نہیں' جس سے ہم ہیں۔ بنگلہ دیش کے معاشی حالات ہم سے زیادہ خراب ہونے کے باوجود وہاں کے مسلمان بہت سی چیزوں میں ہم سے آگے ہیں۔ بھارت کے مسلمانوں کے اندر آج بھی ہم سے زیادہ غیرتِ دینی موجود ہے۔ شریعتِ اسلامی کا جو بھی بچا کھچا حصہ ان کے پاس موجود ہے وہ اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور اس کی حفاظت کے لئے خم ٹھونک کر میدان میں آجاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے عائلی قوانین کے اندر کوئی دخل گوارا نہیں کیا اور اس مسئلے پر راجیو حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ بابری مسجد کے لئے بلکہ ہندوستان کی ایک ایک مسجد کے لئے وہ کٹ مرنے کو تیار ہیں۔

مضمحل معیشت اور زوال پذیر اخلاق و کردار

ہمارے ہاں بظاہر دولت کی کچھ ریل پیل نظر آتی ہے جو حقیقی نہیں' مصنوعی ہے۔ ہماری معیشت کی کوئی مستحکم بنیادیں نہیں ہیں۔ ہمارے ہاں پیدا ہونے والا ہر بچہ پیدائشی طور پر ہزار ہا روپے کا مقروض ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ہماری بڑی تعریف کی جاتی ہے کہ یہ قوم سود کی ادائیگی میں بڑی مستعد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ اس لدّو اونٹ پر مزید بوجھ لادا جا سکتا ہے۔ ہماری بڑی بڑی حکومتوں کا یہ معاملہ رہا ہے کہ ہمارے وزیر خارجہ اپنا بریف کیس لے کر جاتے اور بہت سی خیرات مانگ کر لاتے تو اسے بہت بڑی کامیابی سمجھا جاتا۔ گویا یہ دنیا میں ہمارے ملک کے عزّت و وقار کی علامت ہے کہ ہمیں سود پر بڑے

قرضے مل جاتے ہیں۔ ہماری معیشت کا اصل حال یہ ہے کہ وہ بڑی تباہ کن سٹیج تک پہنچ چکی ہے۔ اخلاقی اعتبار سے بھی ہم قعرِ ذلت میں جا گرے ہیں۔ مجھے وہ نو مسلم امریکی نوجوان عبداللہ مصطفیٰ یاد آجاتا ہے جو کئی سال پاکستان میں رہا۔ اس دوران کچھ عرصہ میرے پاس بھی مقیم رہا۔ نقش بندی سلسلے کے بزرگ سید علاؤالدین شاہ صاحب' جن کی شیخوپورہ گوجرانوالہ روڈ پر خانقاہ ہے اور کرشن نگر کی مسجد میں مجھے کئی مرتبہ ان کے ساتھ اعتکاف کرنے کی سعادت نصیب ہوئی' ان کے پاس وہ شخص سلوک کی منازل طے کرنے کے لئے مقیم رہا۔ اس نو مسلم امریکی کی گواہی تھی کہ میں عالم اسلام کے تقریباً تمام ممالک میں گھوما پھرا ہوں' لیکن جو اخلاقی زوال میں نے یہاں دیکھا ہے وہ کہیں نہیں پایا۔ اس نے بتایا کہ جیسے ہی میں پاکستان میں داخل ہوتا ہوں مجھے اپنی جیب کی فکر لاحق ہو جاتی ہے اور میں اپنے بٹوے کو سنبھال سنبھال کر رکھتا ہوں۔ مصر' ترکی' سعودی عرب اور دیگر ممالک میں کہیں جیب کٹنے کا خوف نہیں ہوتا اور آدمی مطمئن ہو کر بازار میں چل پھر سکتا ہے' لیکن پاکستان میں یہ اطمینان موجود نہیں۔ یہ گویا ایک علامت ہے کہ یہاں پر اخلاقی زوال کس حد تک موجود ہے۔ دواؤں میں ملاوٹ بھلا دنیا کی کوئی دوسری قوم بھی کرتی ہوگی؟ ایک تو خوراک میں ملاوٹ ہے کہ چند ٹکوں کی خاطر آپ اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں کی صحت سے کھیل رہے ہیں اور انہیں آہستہ آہستہ زہر کھلاتے جا رہے ہیں' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ادویات میں ملاوٹ اس سے بھی سینکڑوں گنا زیادہ گھناؤنا عمل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی عورت اپنے گھر کے برتن بیچ کر اپنے بچے یا اپنے شوہر کے لئے دوائی لے کر آئی ہو اور اس کے پندرہ پندرہ روپے میں خریدے ہوئے کیپسول میں صرف چاک بھرا ہوا ہو۔

امن وامان کی صورتحال۔ آتش فشاں کے دہانے پر

اس کے علاوہ ہمارے ہاں انتہائی درجے میں جو تشتت' انتشار اور بے امنی کی کیفیت اور ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کا معاملہ ہے یہ بھی اس درجے میں پوری دنیا میں کہیں نظر نہیں آئے گا۔ آپ عرب ممالک میں چلے جائیے کہیں یہ اندیشہ نہیں' ..... کہیں شاذ ہی کوئی قتل کا معاملہ ہوتا ہے اور وہ بھی اکثر و بیشتر باہر کے لوگ کرتے ہیں۔ لوگ امن کے ساتھ سوتے ہیں' زندگی کا کاروبار امن کے ساتھ چلتا ہے اور یہاں دیکھئے تو معاملہ برعکس نظر آتا ہے۔ سندھ کی صورت حال اس قدر خطرناک ہو چکی ہے کہ ہم گویا آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھے ہیں۔ سورۂ

آل عمران میں الفاظ آئے ہیں..... وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ۔ "تم لوگ آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ گئے تھے"۔ ہمارا معاملہ آگ کے گڑھے سے بھی بہت آگے بڑھ گیا ہے اور یہ آتش فشاں کسی وقت بھی یکدم پھٹ سکتا ہے اور اس کے جو نتائج ہوں گے اس کے احساس ہی سے انسان کا دل لرز جاتا ہے اور میں تو ایک عرصے سے آپ کو وہاں کی بے چینی میں مضمر خطرات سے آگاہ کرتا رہا ہوں۔ ایک صاحب جو ایک دینی پارٹی کے بڑے لیڈر ہیں مجھ سے سوال کر رہے تھے کہ "ڈاکٹر صاحب آپ بڑے عرصے سے سندھ کے بارے میں کہتے چلے آرہے ہیں' اب آپ کا کیا خیال ہے؟" اب تو یہ لوگ بھی وہ سب باتیں ماننے کو تیار ہیں جو میں سندھ کی صورت حال کے بارے میں کہا کرتا تھا اور یہ اسے دیوانے کی بڑ قرار دیتے تھے۔ یہ کہتے تھے کہ "ہم بھی سندھ میں جاتے ہیں' ہمیں تو یہ نظر نہیں آتا"۔ اور جس تشویش کا اظہار میں اپنے مضامین کے اندر کیا کرتا تھا وہ اب بار بار کھل کر سامنے آئی ہے اور اب وہاں صورت حال' چاہے سرکاری طور پر اس کی نفی کی جارہی ہو' واقعۃً یہ ہے کہ اندرونِ سندھ اردو بولنے والے مہاجر اور قدیم سندھی کے مابین بحیثیت مجموعی اس طرح کی نفرت اور دشمنی پیدا ہو چکی ہے جیسی کبھی ایک خاص زمانے میں ہندو مسلم کے درمیان پیدا ہو گئی تھی۔ ابھی کچھ فرق ہے تو کمیت کا ہے' نوعیت وہ پیدا ہو چکی ہے۔ اندرونِ سندھ کوئی بھی مہاجر اپنے آپ کو محفوظ نہیں پا رہا اور ان پر ایک خوف اور دہشت طاری ہے۔ حکومت نے اگرچہ وہاں کچھ حالات سنبھالنے کی کوشش کی ہے' کیونکہ اس کے لئے تو سب سے بڑا مسئلہ ہی یہ ہے اور اگر سندھ میں پیپلز پارٹی کی حکومت ناکام ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پھر اس کا تیا پانچا ہو کر رہے گا اور اس کا پورا سیاسی کیریئر ختم ہو کر رہ جائے گا' لیکن قانون کی حکمرانی جسموں پر ہوتی ہے' دلوں پر نہیں ہوتی اور دلوں کے اندر نفرتیں اتنی گہری جا چکی ہیں کہ کوئی حکومت اس کا ازالہ نہیں کر سکتی۔ تو یہ دوسرا سوال ہے کہ پاکستان کے حالات بالخصوص اس درجے خوفناک کیوں ہیں؟

نفاق کی خاص قسم کا ارتکاب

اس دوسرے سوال کا جواب قرآن حکیم کی روشنی میں یہ ہے کہ ہم نے بھی نہ صرف اُسی نفاقِ عملی کا ارتکاب کیا جس میں پوری امت مسلمہ مبتلا ہے بلکہ اس سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ کر ایک خاص قسم کے نفاق کے مرتکب ہوئے ہیں۔ سورۃ التوبہ میں منافقین کا تذکرہ کرتے

ہوئے اس خاص نفاق کا ذکر کیا گیا ہے :

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ○ (التوبہ : ۷۵، ۷۶، ۷۷)

ترجمہ : "اور ان (منافقین) میں سے بعض وہ بھی ہیں، جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے (دولت) عطا فرمائے گا تو ہم خوب خیرات کریں گے اور لازماً نیک لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے نوازا تو انہوں نے اس میں بخل کیا اور رخ موڑ لیا پہلو تہی کرتے ہوئے۔ تو اللہ نے سزا کے طور پر ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا اُس دن تک کے لئے جب وہ اس کے حضور حاضر ہوں گے بہ سبب اس کے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا، اس کی خلاف ورزی کی اور بوجہ اس جھوٹ کے جو وہ بولتے تھے"۔

ان آیات مبارکہ کی روشنی میں غور کیجئے کہ کیا ہم نے بھی اللہ عزّوجلّ سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا اور کروڑوں مسلمانوں نے گڑگڑا گڑگڑا کر یہ دعائیں نہیں کی تھیں کہ یا اللہ ہمیں ہندو اور انگریز کی دوہری غلامی سے نجات عطا فرمادے تو ہم صرف تیرے بندے بن کر رہیں گے اور تیرے اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دین پر عمل پیرا ہوں گے۔ یا اللہ ہمیں ایک آزاد خطۂ ارضی عطا فرمادے، ہم اسے اسلام کا گہوارہ بنادیں گے! انڈونیشیا سے لیکر الجزائر تک تمام ممالک اسی صدی میں آزاد ہوئے ہیں، لیکن کہیں اس طرح سے اسلام کا نام نہیں لیا گیا، کہیں اسلام کا نعرہ نہیں لگا، لیکن "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الّا اللہ" کے نعروں سے راس کماری سے لیکر درۂ خیبر تک اور چاٹگام سے لیکر مکران تک پورا برِ عظیم گونج گیا تھا۔ اسلام کا نام جتنا ہم نے لیا ہے، اس دور میں بحیثیتِ قوم کسی نے نہیں لیا..... لیکن اب ذرا غور کیجئے کہ قیام پاکستان کو نصف صدی ہونے کو آئی ہے اور ہم نے اس وعدے کا کہاں تک پاس کیا ہے! وعدہ خلافی تو انسانوں کے ساتھ بھی مذموم ہے اور ہم نے اللہ کے ساتھ اس قدر بڑی وعدہ خلافی کی! بازی بازی باریش بابا ہم بازی! ہم نے اللہ کے ساتھ ایک وعدہ کیا اور پھر من حیث القوم اس میں بے وفائی، غدر، جھوٹ، دھوکہ اور غداری کے مرتکب ہوئے۔ اس بدعہدی کی نقد سزا ہمیں دنیا میں یہ ملی کہ ہمارے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا گیا۔ یہ اسی بدترین

سزا کا مظہر ہے کہ اخلاق کا جس قدر بحران یہاں ہے' دنیا میں اور کہیں نہیں۔ اور وہ مسلمان جو کبھی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر ملّتِ واحدہ یا کم از کم ایک قوم کی شکل اختیار کر گئے تھے آج قومیتوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ آج وہی مسلمان ایک دوسرے کے گلے کاٹ رہے ہیں اور کلاشن کوف سے ایک دوسرے کے سینے چھلنی کر رہے ہیں۔ آج ہماری وحدتِ ملّی پارہ پارہ ہو چکی ہے اور ہمیں قدم قدم پر طرح طرح کی عصبیتوں کا سامنا ہے۔ کہیں صوبائی عصبیت ہے' کہیں لسانی عصبیت ہے' کہیں معاشی عصبیت ہے۔ یہ قرآن حکیم میں بیان کردہ عذاب کی تین صورتوں میں سے بدترین صورت ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمایئے سورۃ الانعام کی آیت ۶۵:

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ط

ترجمہ: "کہہ دیجئے کہ اسی کو قدرت ہے اس پر کہ وہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے نازل کر دے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے (عذاب کا کوئی سوتا پھوٹ پڑے' مثلاً زمین شق ہو جائے اور تم سب کے سب اس میں دھنس جاؤ) یا تمہیں فرقوں میں تقسیم کر کے آپس میں ٹکرا دے اور ایک دوسرے کی طاقت کا ایک دوسرے کو مزا چکھا دے۔"

آج ہم اپنی وعدہ خلافی کے سبب اسی تیسری صورت کے عذاب سے دوچار ہیں۔

نوا را تلخ ترمے زن ....

میری یہ باتیں بہت تلخ ہیں اور لوگ ان سے ناراض ہوتے ہیں۔ امارات میں بھی میں نے جب یہ باتیں کہیں تو بعض لوگوں نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ کچھ دبی دبی احتجاجی صدائیں مجھ تک پہنچیں کہ یہ کیا؟ آپ نے سب مسلمانوں کو منافق بنا دیا اور پوری امتِ مسلمہ پر نفاق کا فتویٰ لگا دیا! ایسے لوگوں سے میں سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ قرآن کا قول ہے یا نہیں کہ "اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" ۔ اب مجھے آپ زمین کا کوئی خطہ دکھا دیجئے جہاں مسلمان سربلند ہوں! اور کیا یہ قول قرآن کا ہے یا نہیں کہ اگر تم دین کے ایک حصے کو مانو اور ایک کو نہ مانو تو دنیا میں تمہیں بدترین رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آج آپ مجھے روئے زمین پر کوئی ایک انچ دکھلا دیجئے جہاں پورے کے پورے اسلام پر عمل ہو رہا ہو' جہاں پوری اسلامی شریعت نافذ

ہو۔ یہ بہت تلخ حقائق ہیں، لیکن حقائق سے غضِ بصر مسائل کا حل نہیں ہے۔ ہمیں ان حقائق کو ان کے اصل پس منظر میں دیکھنا ہو گا، تبھی کوئی شکل پیدا ہو سکتی ہے کہ ہمارے اندر اصلاحِ احوال کا جذبہ پیدا ہو۔ ٹھنڈی ٹھنڈی وعظ، برکتوں کے ذکر اور فضائل کی تعلیم سے یہ حقائق سامنے نہیں آئیں گے۔ اگر اسی کا وعظ کیا جائے کہ ایک ایک رات کے عوض یہ کچھ مل جاتا ہے اور یہ رات مل گئی تو پچھلا سارا کیا دھرا معاف ہو گیا، گویا کہ سارے کا سارا کالا دھن سفید ہو گیا۔ تو آپ بھی کہیں گے کہ یہ بڑے اچھے، دل خوش کن واعظ ہیں اور مجھے بھی اس کے لئے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں ہو گی۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ حقائق کو دیکھیں۔ آخر کار حقائق کا سامنا تو کرنا پڑے گا اور اس کے لئے پہلے ان کا مشاہدہ کرنا ہو گا۔

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ !

ایک اہم سوال

اپنی آج کی گفتگو کے تیسرے اور آخری حصے میں میں یہ بیان کرنا چاہتا تھا کہ اس ساری افتاد کی اصل ذمہ داری کس پر ہے۔ اگر پاکستان میں اب تک اسلام نہیں آیا تو اس کا ذمہ دار کون ہے۔ اس میں کسی کی تنقیص یا توہین پیش نظر نہیں ہے بلکہ اللہ گواہ ہے کہ یہ خود احتسابی اور خود تنقیدی کا معاملہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ہماری قومی کوتاہی ہے، اس حمام میں پوری قوم ننگی ہے اور اس کی ذمہ داری ہر ہر فرد پر عائد ہوتی ہے۔ البتہ کچھ طبقات ایسے ہیں جو اپنی حیثیت اور اہمیت کی وجہ سے اس کے خصوصی ذمہ دار بنتے ہیں۔ صحیح راستے کی طرف رہنمائی کے لئے ان کی نشاندہی ضروری ہے۔ اس پر میں ان شاء اللہ اگلے جمعہ میں گفتگو کروں گا۔

بارک اللہ لی ولکم فی القران العظیم و نفعنی و ایّا کم بالایات والذ کر الحکیم

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مذہبی عناصر

انتخابی سیاست میں ناکام، احتجاجی و مظاہراتی سیاست میں کامیاب

۱۲ مئی کے خطاب جمعہ کی تلخیص

آج کی بحث کا کوئی تعلق موجودہ سیاسی گروہ بندی اور محاذ آرائی سے نہیں ہے۔ پچھلے چھ ماہ سے مرکز اور پنجاب کے درمیان جو کشمکش برپا ہے' اسے ذہن سے نکال دیجئے۔ ہماری تاریخ ان چھ ماہ کے اندر تو مقید نہیں ہے کہ اس سفر کا آغاز ۱۹۴۷ء سے ہوا تھا۔ ۲۷ رمضان المبارک کو ہم نے ۴۳ سال پورے کر لئے ہیں۔ اس عرصے میں کیا افتاد پیش آئی' کون سی رکاوٹیں حائل رہیں کہ اس ملک میں اسلام نافذ نہ ہو سکا جو اسلام نافذ کرنے کے وعدے کے ساتھ حاصل کیا گیا تھا۔ اس سوال پر جماعتی اور تنظیمی حوالوں سے بالاتر ہو کر بھی غور کرنا ہے۔ کوشش یہ ہے کہ کسی جماعت کا نام نہ آئے۔ البتہ طبقات کا حوالہ دینا پڑے گا۔ اس تجزیئے میں لامحالہ تنقید تو شامل ہوگی۔ کہیں نہ کہیں تو کوئی گڑبڑ ہوئی ہے' کہیں نہ کہیں کوئی غلطی تو ہوئی' کسی کا قصور تو ہے۔ اتنی بڑی تحریک چلی راس کماری سے لے کر درۂ خیبر تک' چٹاگانگ سے مکران تک پورا ہندوستان "پاکستان کا مطلب کیا' لا الٰہ الا اللہ" کے نعروں سے گونج اٹھا۔ سوال یہ ہے کہ تحریک اپنی منزل کیوں حاصل نہ کر سکی۔ ہمیں آج اس سوال کا جواب دینا ہے' کسی کی توہین یا تنقیص مقصود نہیں ہے۔

میرا احساس یہ ہے اور میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ کسی ایک فرد کی غلطی نہیں ہے' کسی ایک جماعت کی غلطی نہیں ہے' یہ ہماری مشترک غلطیاں ہیں۔ میری آپ سے استدعا ہے کہ آپ بھی اسی اعتبار سے اس پر غور کریں۔ یہ اجتماعی سطح پر خود احتسابی کا معاملہ ہے۔ اجتماعی سطح پر گہری سطح پر سنجیدہ تجزیئے کی ضرورت اس لئے ہے کہ صورت حال بد سے بدتر اور خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے۔ اگر ہم صحیح تشخیص کر سکے تو آئندہ کے لئے اپنے طرز عمل کو درست کر سکیں گے اور ایک لائحہ عمل کے خطوط اجاگر ہو سکیں گے..... اس لئے آج میں اصطلاحات بھی قدرے مختلف استعمال کروں گا۔ آج اس موضوع پر سوچتے ہوئے قرآن مجید کا یہ نکتہ ذہن میں آیا کہ قرآن مجید میں ایک ہی مفہوم کے لئے مختلف اصطلاحات ہیں' مختلف اسلوب ہیں۔ اس کا سبب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مختلف لوگوں کی طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ ایک شخص

ایک بات کو ایک طریقے سے بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے دوسرا اسی بات کی تفہیم کسی اور طریقے سے حاصل کرتا ہے اور پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک اصطلاح ایک ذہن میں کوئی تحریک پیدا نہیں کرتی۔ وہی بات قدرے مختلف انداز سے سامنے آئے تو ذہن وفکر اسے قبول کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔

ایک پوری قوم یا پورے گروہ کی اجتماعی کوتاہی کی ایک بہترین مثال سورۃ النور میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا واقعہ ہے..... "کہ جو لوگ بھی اس میں شریک ہوئے' انہوں نے اس گناہ میں سے حصہ پالیا؟ البتہ ایک شخص ایسا بھی ہے کہ جس نے اس کا سب سے بڑا حصہ کمایا ہے"۔

ہم نے آزادی سے کیا حاصل کیا ہے

میری رائے میں پاکستان میں اسلام اس لئے نافذ نہ ہو سکا کہ پوری قوم قول وعمل کے تضاد میں مبتلا ہے۔ "تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے"۔ یہ پوری امت مسلمہ کا حال ہے۔ دین کے علمبردار بھی دین پر پوری طرح عمل نہیں کرتے۔ بعض حصوں کو انہوں نے حالات کی مجبوری قرار دے کر اور بہانہ بنا کر ترک کر دیا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص اپنے گریبان میں جھانکے۔ ہم نے آزادی کا مطلب یہ سمجھا کہ دنیاوی ترقی کے لئے راستے کھل گئے۔ ترقی کے راستے میں ہماری غلامی بھی حائل تھی اور اس سے کہیں بڑھ کر ہندو حائل تھا۔ ہندو ہم سے زیادہ بیدار تھا' ہم سے زیادہ محنتی تھا' ہم سے زیادہ منظم تھا۔ وہ تعلیم میں ہم سے آگے نکل گیا تھا' تجارت کے میدان میں تو وہ پہلے ہی آگے تھا اور اگر وہ موجود رہتا تو مسلمانوں کو اس قدر آگے بڑھنے کے مواقع نہ ملتے۔ پاکستان بنا تو ترقی بھی ہوئی' ہمارے ہاں برلا اور ٹاٹا نہیں تھے' اب ہمارے ہاں برلا اور ٹاٹا کے باپ پیدا ہو گئے ہیں۔ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد ایک ہی سیاسی جماعت تھی اور وہ مسلم لیگ تھی' احرار نے پاکستان بننے کے بعد سیاسی میدان سے پسپائی اختیار کر لی' جماعت اسلامی نے اس سے پہلے عملی سیاست میں حصہ نہیں لیا تھا' اس کی سیاست محض نظری تھی۔ پاکستان بننے کے بعد سیاسی منظر پر کئی جماعتیں نمودار ہوئیں' ری پبلکن پارٹی' نیشنل عوامی پارٹی' جناح لیگ' عوامی لیگ' جناح عوامی لیگ ـــــ ان میں سے بعض مسلم لیگ ہی کے انڈے بچوں کی حیثیت رکھتی تھیں۔ سیاسی جماعتوں کے حوالے سے ایک بنیادی اور اصولی بات یہ ہے کہ کسی پارٹی کے نام میں مسلم کا لفظ موجود ہو یا نہ رہا ہو' سیاسی جماعت عوام کی ذہنی سیاسی تربیت کرتی ہو یا نہ کرتی ہو' یہ انہی

کی ذہنی و سیاسی حالت کی عکاسی کرتی ہے' خواہ اسے عوام کی محدود سی حمایت ہی حاصل ہو۔ عوام کی جو بھی حالت ہو وہ آپ کو زیادہ گاڑھی شکل میں سیاسی جماعت میں نظر آجائے گی۔ اگر عوام میں دیانت ہے' امانت ہے' سچائی ہے تو سیاسی جماعت میں اس سے زیادہ دیانت و امانت ہوگی اور اگر لوگوں کے اندر دھوکا ہے' جھوٹ ہے' بدعہدی ہے تو یہ عیب سیاسی جماعت میں بہت زیادہ گاڑھی شکل میں نمایاں ہو جائیں گے۔ جماعتوں کا جائزہ لینے کے لئے انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک حصہ ان فعال مذہبی عناصر کا ہے جو خالصتاً غیر سیاسی ہیں' سیاست کے میدان سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں' ان کا کام درس و تدریس' تعلیم و تصنیف' نصیحت و تلقین' جمعہ و جماعت رہا۔ پاکستان میں خاص طور پر مغربی پاکستان میں' دارالعلوم بہت کم تھے' ہماری دینی ثقافت کا اصل مرکز یوپی تھا۔ دہلی سے بہار تک' دارالعلوم دیوبند ہے' ندوۃ العلماء ہے' مظاہر العلوم ہے' اعظم گڑھ کے مدارس ہیں۔ مغربی پاکستان کے علاقے میں..... جواب پورا پاکستان ہے..... سیاست سے دلچسپی نہ رکھنے والے مذہبی عناصر نے دینی درسگاہوں کی کمی دور کی۔ انہوں نے بہت محنت و مشقت سے یہ بیش قیمت کام سرانجام دیا اور بڑے بڑے دارالعلوم وجود میں آئے' جامعہ اشرفیہ عظیم الشان دارالعلوم ہے' کبھی نیلا گنبد کی ایک مختصر سی مسجد میں چھوٹے چھوٹے حجروں تک محدود تھا۔ کراچی کا بنوری ٹاؤن کبھی ایک چھپر تھا۔ ایک بڑے ٹرنک میں کتابیں محفوظ رکھی جاتی تھیں کہ بارش سے برباد نہ ہو جائیں۔ یہ علماء کی جگر کاویاں ہیں' کتنی ہی روشن زندگیاں اس جدّوجہد میں لگادی گئیں' جن سے یہ منظر پیدا ہوئے۔ اسی حلقے کا ایک تحریکی حصہ تبلیغی جماعت ہے۔ اس جماعت نے کتنی ترقی کی ہے ان کا بھی وہی کام ہے تلقین و نصیحت۔ یہ جماعت نہ صرف غیر سیاسی ہے بلکہ ایک اعتبار سے اسے سیاست دشمن (ANTIPOLITICS) کہا جاسکتا ہے۔ یہ دارالعلوم نہ ہوتے تو مساجد کیسے آباد ہوتیں' یہ خطیب اور امام کہاں سے آتے۔ مذہبی احساس کے ڈھانچے کو برقرار اور قائم رکھنے میں ان اداروں کا بڑا کردار ہے۔ تاہم یہ ادارے کتنے ہی قابل قدر کیوں نہ ہوں لیکن مشکل یہ ہے کہ انہوں نے حصولِ آزادی سے پیدا ہونے کے تقاضوں کو محسوس کیا اور نہ انہیں ادا کرنے کی طرف کوئی توجہ دی۔ ان کی جو روش آزادی سے پہلے تھی وہی آزادی کے بعد بھی برقرار رہی' جو نصاب وہ آزادی سے پہلے پڑھا رہے تھے' وہ آزادی کے بعد بھی وہی پڑھاتے رہے۔ انہوں نے تبدیلی کی اہمیت کو سمجھا

ہی نہیں کہ اس آزاد ملک کے اندر کس قسم کے علماء ہمیں تیار کرنے کی ضرورت ہے' ان میں کیا صلاحیتیں ہونی چاہئیں' یہ کہ اگر ہمیں یہاں اسلام کو عملاً برپا کرنا ہے تو کیا استعداد ہمیں فراہم کرنی چاہئے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ تقلید ان کے ہاں اصولِ موضوعہ بن چکی ہے' طرز زندگی اور ایک عادتِ ثانیہ بن گئی ہے۔ ایوب خان کے دور میں نظریاتی کونسل کے سربراہ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے "مجموعہ قوانین اسلامی" کے عنوان سے ایک کتاب مرتب کی تھی۔ اس پر مولانا بنوریؒ نے ایک تائیدی و تحسینی شذرہ لکھ دیا۔ بعض علماء نے اس پر ناخوشی کا اظہار کیا کہ مولانا بنوری نے ایک جدید تعلیم یافتہ دانشور کی حوصلہ افزائی کیوں کی۔ اس پر مولانا بنوریؒ نے فرمایا کہ ہم وہ کام نہیں کر رہے جو ہمیں کرنا چاہئے اور اس سے آگے بڑھ کر ہماری غلطی یہ ہے کہ اگر کوئی اور یہ کام کرتا ہے تو ہمیں اچھا معلوم نہیں ہوتا اور ہم اس کی تائید اور تحسین کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے عوام کا جو طبقہ مدرسے اور دار العلوم چلانے والے غیر سیاسی علماء کے زیر اثر آیا' ان میں عمومی بے چینی موجود رہی۔ اس بے چینی کا فائدہ اٹھایا غیر مذہبی طالع آزماؤں نے یعنی اگر مذہب کے نام پر کوئی سیاسی تحریک اٹھی تو اسے سیاسی طالع آزماؤں نے اچک لیا۔ مذہبی لوگ تو سمجھتے ہی نہ تھے کہ معاشرہ کدھر جا رہا ہے' سیاست کا رخ کیا ہے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر حضرات کا اندازِ فکر یہ تھا کہ صرف چمڑی کی رنگت بدلی ہے پہلے گوری چمڑی والے ہم پر حکمران تھے' اب وہ کالے انگریز ہم پر حکمران ہیں اور یہ بات اپنی اصل کے اعتبار سے حقیقت کے خلاف بھی نہیں تھی۔ اس لئے کہ جن لوگوں کے پاس اقتدار و اختیار آیا خاص طور پر سول اور آرمی بیوروکریسی میں سے تو عقیدت کے اعتبار سے' معاشرت کے اعتبار سے' اپنی وضع قطع کے اعتبار سے' اپنی نشست و برخواست کے اعتبار سے اپنے تہذیبی طور اطوار کے اعتبار سے یہ لوگ بڑی حد تک مغربی تھے۔ علماء میں یہ احساس موجود رہا اور ان کے زیر اثر ان کا احساس عوام میں منعکس ہوتا رہا' چنانچہ عوام میں بے چینی موجود رہی۔ لہٰذا جب سیاسی تحریک میں اسلام کا نعرہ لگا اور عوام میں تحریک کا ولولہ پیدا ہو گیا تو غیر سیاسی مذہبی عناصر بے اثر اور غیر متعلق ہو کر رہ گئے۔

نظری اور عملی سیاست کا فرق اور مذہبی عناصر کا کردار

سوال یہ ہے کہ سیاسی سطح پر فعال دینی حلقے کا کردار کیا رہا۔ سیاست کو دو حصوں میں بانٹ دیجئے' نظری سیاست اور عملی سیاست۔ نظری سیاست کی سب سے بڑی مثال صحافی

حضرات ہوتے ہیں کہ وہ اگرچہ الیکشن نہیں لڑتے، کبھی پاور پالی ٹیکس کے اندر خود کھلاڑی کی حیثیت سے شریک نہیں ہوتے، لیکن فضا ہموار اور رائے عامہ تیار کرتے ہیں، کسی ایک کے حق میں، کسی دوسرے کے خلاف۔ سرگرم اخبار نویس نظری سیاست میں بھرپور حصہ لینے کی بہترین مثال ہیں اگرچہ وہ عملاً سیاست کے میدان میں نہیں ہوتے۔ دوسرا حصہ عملی سیاست ہے۔ عملی سیاست کے پھر دو حصے ہیں، ایک انتخابی سیاست جس کے پیشِ نظر نظام کو بدلنا نہیں ہوتا بلکہ نظام کو چلانے والے ہاتھوں کو بدلنا ہوتا ہے، ایک انقلابی سیاست ہے جس کے پیش نظر رائج نظام کو یکسر بدل ڈالنا ہے۔ ایک ہے انتخابی سیاست یا براہ راست حصول اقتدار کے لئے جدّوجہد کی سیاست، جسے آپ کہیں گے الیکشن پالی ٹیکس یا پاور پالی ٹیکس۔ دوسرے حصے کے لئے تین اصطلاحیں استعمال کی جا سکتی ہیں۔ احتجاجی سیاست، مطالباتی سیاست، مظاہراتی سیاست۔ سیاسی تحریکیں چلتی ہیں، مظاہرے ہوتے ہیں، ایجی ٹیشن ہوتا ہے اس میں بھی ظاہر بات ہے کہ کوئی نہ کوئی سیاسی نقطۂ نظر سامنے ہوتا ہے۔ کبھی کسی کو گرانا مقصود ہے، کسی کو ابھارنا مقصود ہے۔ اگرچہ اس میں بھی اکثر و بیشتر پاور پالی ٹیکس ملوث ہو جاتی ہے، لیکن بنیادی طور پر یہ الگ بھی ہیں۔

میزانیۂ نفع و نقصان

اب ذرا چالیس سالہ تاریخ کا جائزہ لیجئے کہ ہمارے ہاں ان دونوں سیاستوں کے اعتبار سے حال کیا رہا ہے۔ فعال مذہبی حلقے انتخابی سیاست میں بری طرح ناکام رہے، جبکہ احتجاجی سیاست، مظاہروں اور مطالبوں کی سیاست میں وہ نہایت کامیاب رہے۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۷۰ء تک جو بھی انتخابی معرکے برپا ہوئے، ان میں مذہبی جماعتوں کو کبھی کوئی بڑی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ ایک خاص جماعت کراچی کارپوریشن کے لوکل الیکشن میں سرخرو ہوتی رہی لیکن صوبائی اور قومی سطح پر اسے کبھی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مرکزی سطح پر تو بعض نمایاں رہنما جیت گئے تھے کہ جو گرئی محفل کو برقرار رکھ سکتے تھے۔ اگرچہ وہ مؤثر ہرگز نہ تھے۔ اس جماعت کے علاوہ دوسرے مذہبی عناصر میں سے بھی کوئی بھی مؤثر گروپ اسمبلی میں نہ پہنچ سکا۔ صرف صوبہ سرحد میں ایک مذہبی جماعت کو ایسی حیثیت حاصل ہوئی تھی کہ وہ مخلوط وزارت میں شامل ہوئی۔ اب ۱۹۸۸ء کے انتخابات میں اسی جماعت کو بلوچستان میں کچھ حیثیت حاصل ہوئی ہے کہ وہ مخلوط وزارت میں شامل ہے۔ جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے کچھ

تھوڑی سی شرکت ملی ہے اقتدار میں' لیکن کس قیمت پر۔ اپنا تشخص ختم کر کے' اپنے آپ کو ایک اتحاد میں مدغم کر کے' دوسرے یہ کہ اسے جو بھی حیثیت حاصل ہے وہ اصل میں اس کی سٹریٹ پاور کی بنیاد پر ہے۔ وہی ایجی ٹیشن اور مظاہرے کی سیاست میں استعمال ہونے والی قوت ورنہ عددی اعتبار سے ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اتنے فعال دینی عناصر الیکشن کے میدان اس بری طرح ناکام کیوں ہوئے ہیں۔ میرے نزدیک اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہمارے ہاں سیاست میں کامیابی اور قوت کی کلید' اصل پاور بیس (POWER BASE) جاگیرداری' زمینداری اور سرمایہ داری ہے۔ جب تک طاقت کی اس بنیاد میں کوئی تبدیلی نہ ہو الیکشن کے نتائج میں کوئی بنیادی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ سندھ کی سطح پر جاگیرداری اور زمینداری' پنجاب کی سطح پر زمینداری اور سرمایہ داری۔ اکثر و بیشتر تو زمینداری کا ہی معاملہ ہے۔ کبھی کبھی کوئی سرمایہ دار گروپ بھی میدان میں آجاتا ہے' شاذ و نادر ــــ درحقیقت سرمایہ دار بھی اکثر و بیشتر وہی ہے جو بنیادی طور پر زمیندار ہے۔

دوسرا بڑا سبب جس نے مذہبی عناصر کی ناکامی کو اور زیادہ نمایاں کر دیا وہ آپس کی چپقلش اور دھینگا مشتی ہے۔ اگر اسلام کے نام پر ایک محاذ وجود میں آگیا ہوتا تو یقیناً وہ اس حشر سے دوچار نہ ہوتے۔ مذہبی ووٹ تقسیم ہوا اور اس کا بہت بڑا منفی نتیجہ یہ نکلا کہ فرقہ واریت کے جراثیم زیادہ گہرائی میں اتر گئے۔ اس لئے کہ سیاست کی تلخیاں بھی اس میں شامل ہو گئیں۔ یہ تمام مذہبی عناصر کی کارگزاری ہے' کسی ایک کی نہیں۔ اس کے برعکس مطالباتی' احتجاجی اور مظاہراتی سیاست کے اندر یہی دینی عناصر معاشرے کی مؤثر ترین قوت ہیں۔ مطالباتی سیاست کی سب سے پہلی اور عظیم کامیابی مطالبۂ دستورِ اسلامی کی مہم تھی' جس کے نتیجے میں قرار دادِ مقاصد پاس ہوئی۔ یہ تحریک اس لئے کامیاب رہی' کہ جس جماعت نے اس کا آغاز کیا تھا وہ اس وقت تک سیاسی جماعت نہیں بنی تھی۔ اس نے ایک اصولی' دینی مطالبہ اٹھایا' اسے تمام دینی عناصر کی تائید حاصل ہو گئی یہاں تک کہ حکومتی جماعت..... مسلم لیگ کے مخلص اور اسلام پسند عناصر نے بھی اس مطالبے کی بھرپور تائید کی۔ سب جانتے ہیں کہ اس میں فیصلہ کن کردار مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور ان کے ساتھیوں نے ادا کیا۔ یہ سیاست کا کھیل نہ تھا' ایک خالص دینی مطالبہ تھا' کہ دستور کا مزاج اور خمیر اسلامی ہونا چاہئے۔ اگر یہ محسوس کیا جاتا کہ یہ کسی جماعت کا سیاسی ہتھکنڈہ ہے تو برسرِ اقتدار پارٹی کبھی اس کی تائید نہ کرتی۔

احتجاجی سیاست کی ایک دوسری بڑی کامیابی صدر ایوب خان کا زوال ہے۔ اس تحریک میں غیر مذہبی عناصر بھی تھے لیکن تحریک کی اصل قوت مذہبی عناصر ہی تھے۔ کوئی تحریک ہمارے ہاں نہیں چل سکتی جب تک کہ مذہبی عناصر اس کا ساتھ نہ دیں۔ جب قربانی دینے کا وقت آتا ہے تو جمہوریت اور سوشلزم کے نام لیوا دبک جاتے ہیں' تب صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کے نام لیوا اپنے گریبان کھولتے اور سینوں پر گولیاں کھانے کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔

ایک اور بڑی کامیابی ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت تھی۔ یہ قرارداد مقاصد کی منظوری ایسی کامرانی تھی جب مغرب نواز جدید تعلیم یافتہ لوگ رنجیدہ ہو کر کہتے تھے کہ وہ عوام کی بجائے اللہ کی حکمرانی کا تصور قبول کرنے کے بعد وہ دنیا کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔ اس دور میں جب سیکولرازم' یہ تصور کہ مذہب فرد کا انفرادی معاملہ ہے دنیا کا سب سے بڑا مقبول و محبوب عقیدہ بن چکا ہے' اس دور میں ایک مسلّمہ بین الاقوامی اصول بن چکا ہے' قادیانیوں کو اقلیت قرار دینا ایک حیرت انگیز کامیابی تھی۔ قادیانی جماعت پوری دنیا میں معروف تھی کتنے ملکوں میں ان کے مشن کام کر رہے تھے۔ دنیا کے ممتاز رہنماؤں کے ساتھ ان کے مراسم اور تعلقات تھے' حکومت اس مطالبے کو ماننے پر کبھی آمادہ نہ ہوتی لیکن جوش و جذبے سے بھرے بے پناہ انسانی ہجوموں نے اسے بے بس کر کے رکھ دیا۔ یہ مظاہراتی سیاست کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ اس میں علماء نے بھرپور حصہ لیا اور انہی کی قیادت میں یہ جنگ جیتی جا سکی۔ سب سے اہم اور آخری کامیابی وہ ہے جسے ہم ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ کہتے ہیں' کیسی عظیم تحریک تھی۔ لوگوں نے مانا کہ ۱۹۴۷ء والے حالات پیدا ہوئے۔ وہی جوش وہی قربانی کا جذبہ' لاہور نے جو منظر دیکھے ہیں' وہ کبھی فراموش نہ کئے جا سکیں گے' لوگ آگے بڑھتے اور گولیاں کھاتے رہے لیکن انہوں نے شکست تسلیم کرنے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ وہ کرسی زمین پر آ رہی ' جس کی مضبوطی کا دعویٰ کیا گیا تھا۔

اس تحریک میں جملہ مذہبی عناصر متحد تھے۔ ختم نبوت کی تحریک کی طرح جس میں شیعہ' سنی' بریلوی' دیوبندی' اہل حدیث' جماعت اسلامی والے' سب شریک تھے۔ یہ اتحاد کامیابی کی کلید بنا۔ دوسری بات یہ کہ ان تحریکوں میں بیشتر سیاسی عناصر بھی شریک رہے۔ ایوب خان کے خلاف' بھٹو صاحب کے خلاف۔

اس موازنے کے چند اور دلچسپ پہلو بھی ہیں۔ ایک مثال یہ ہے کہ ایک خاص جماعت نے اسلامی دستور کے لئے مہم شروع کی اور وہ کامیاب رہی لیکن وہی جماعت پہلی بار ۱۹۵۱ء

کے الیکشن میں پنجاب کے میدانوں میں سامنے آئی تو چاروں شانے چت ہو گئی۔ وجہ کیا ہے؟ یہ کہ جب آپ نے تحریک اٹھائی تو سب آپ کے ساتھ تھے اور الیکشن کے میدان میں اترے تو وہی سب لوگ آپ کے مدمقابل تھے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی کامیابی کے لئے کوشاں تھا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ ختم نبوت جیسے خالص مذہبی مسئلے پر ایک تحریک ۱۹۵۳ء میں چلی اور ناکام ہوئی' بری طرح ناکام ہوئی۔ حالانکہ تب ۱۹۷۴ء سے زیادہ قربانیاں دی گئیں۔ سبب یہ ہے کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک مجلس احرار اسلام نے شروع کی تھی جو ماضی میں بہت بھرپور سیاسی کردار ادا کرتی رہی تھی۔ اگرچہ اس نے قیام پاکستان کے بعد اپنی وہ سیاسی حیثیت ختم کر دی تھی مگر لوگوں کو پچھلی تاریخ اور ان کا پس منظر بھولا تو نہیں تھا۔ لہٰذا اس تحریک میں سیاسی معنی تلاش کئے گئے۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک میں اگرچہ سیاسی عناصر بھی شریک تو تھے مگر اصل قیادت خالص غیر سیاسی شخصیت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے ہاتھ میں تھی۔

شریعت بل ایک خالص دینی مسئلہ تھا۔ یہ کوئی زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔ اس کے لئے متحدہ شریعت محاذ بنا' لیکن بری طرح ناکام ہوا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا کلنک کا ٹیکہ ہو گا کہ کوئی تحریک الٹی میٹم بھی دے کہ ۲۷ رمضان المبارک تک بل منظور نہ کیا گیا تو ایک عوامی تحریک برپا کر دیں گے اور اس کے بعد پھر بالکل خاموش ہو کر بیٹھ رہے۔ متحدہ شریعت محاذ میں اگرچہ سیاسی مذہبی عناصر بھی تھے اور غیر سیاسی مذہبی عناصر بھی۔ لیکن قیادت میں پلڑا بھاری تھا سیاسی عناصر کا۔ دوسری حقیقت یہ ہے کہ جتنے دینی سیاسی عناصر اس میں شامل تھے وہ منقسم ہو چکے تھے۔ مولانا احسان الٰہی ظہیر اور ان کی جمعیت اہل حدیث' مولانا نورانی میاں کی جمعیت علماء پاکستان' مولانا فضل الرحمٰن کی جمعیت علماء اسلام شدید مخالفت کر رہی تھیں' جبکہ جمعیت اہل حدیث اور جمعیت علماء اسلام کا ایک ایک دھڑا بل کی حمایت میں سرگرم تھا۔ ان دھڑوں کے درمیان جو بھی اختلاف تھا وہ خالص سیاسی تھا۔ کوئی مذہبی اختلاف نہیں تھا۔ ریفرنڈم کے معاملے میں اختلاف' دستور کے معاملے میں اختلاف' بحالیء جمہوریت کے مسئلے پر اختلاف۔

معلوم ہوا کہ تحریکیں ناکام وہاں ہوتی رہی ہیں جہاں کچھ بھی عمل دخل ان سیاسی عناصر کا یا سیاسی ذہنیت کا ہو اور تحریکیں کامیاب وہ ہوئی ہیں جو خالص غیر سیاسی عناصر کے تحت چلی ہیں۔ کسی خالص دینی مسئلے کے لئے۔

بھارت کا مسلمان بازی لے گیا

ان تین مثالوں کے علاوہ جو ہماری ۱۴۳ سالہ تاریخ کی عوامی تحریکوں سے پیش کی گئیں' بھارتی مسلمانوں کے حوالے سے بھی ایک نادر مثال حال ہی میں سامنے آئی ہے۔ بھارتی مسلمانوں' خاص طور پر فعال مذہبی عناصر کے لئے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ الیکشن کے میدان میں آئیں اور انہیں کوئی کامیابی حاصل ہو۔ چونکہ یہ میدان بند ہے لہٰذا ساری توجہ اب دوسرے میدان کی طرف ہے اور اس سے کیا عظیم الشان نتیجہ سامنے آیا۔ بھارتی سپریم کورٹ نے مسلمانوں کے عائلی قوانین میں دخل اندازی کرنے والا ایک فیصلہ صادر کیا کہ اگر کوئی مسلمان اپنی بیوی کو طلاق دے تو جب تک مطلقہ بیوی دوسری شادی نہ کر لے اس کا نان نفقہ سابق شوہر کے ذمے رہے گا۔ ہندوستان کا مسلمان اس فیصلے کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑا ہو گیا۔ اتنی عظیم تحریک برپا ہوئی' جانیں دیں انہوں نے' پٹنہ میں غالباً ایک دن میں ساٹھ مسلمانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ ہندی مسلمانوں کے تمام فرقے جمع ہو گئے۔ سنی' شیعہ' اہل حدیث' جماعت اسلامی' بریلوی' دیوبندی سب بنیانِ مرصوص بن گئے۔ یہ ساری باتیں میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ شاید ان پر غور کیا جائے۔ میں کوئی مؤرخ نہیں ہوں' تاریخ نگاری میرا مشغلہ نہیں ہے۔ بھارتی مسلمانوں کی اس تحریک کی قیادت ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں تھی جو خالص غیر سیاسی تھا یعنی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ۔ جیسے یہاں مولانا یوسف بنوریؒ تھے اسی طرح وہاں مولانا علی میاں ہیں۔ ایک عالم' ایک مصنف' لوگوں کے لئے محترم رہنما اور مشیر۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بھارتی وزیراعظم نے مولانا علی میاں سے رابطہ کیا' خود برسراقتدار کانگریس پارٹی نے اسمبلی میں مسلمانوں کے عائلی قوانین کو تحفظ دینے کے لئے بل پیش کیا اور بھارتی وزیراعظم نے مسلمانوں کے مقدمے کی وکالت کرتے ہوئے کہا کہ اسلام عورتوں کے حقوق کی بہترین ضمانت مہیا کرتا ہے۔ سیکولر بھارت میں یہ ایک عظیم کامیابی تھی' محض سیکولر بھارت میں نہیں بلکہ اس بھارت میں جہاں ہندو کا غلبہ ہے۔ ہندوستان کا مسلمان ہم سے بازی لے گیا۔ ہم بہت پیچھے رہ گئے۔ ہمارے ہاں ۱۹۶۱ء میں فیملی لاء آرڈیننس آیا اور ہمارے ہاں کے تمام مذہبی عناصر نے بالکل بیک آواز کہا کہ یہ غلط ہے' اسلام کے خلاف ہے' شریعت اسلامی میں دخل اندازی ہو رہی ہے' لیکن کسی نے کوئی پرواہ نہیں کی' ۶۲ء میں وہ قوانین نافذ ہوئے اور آج ۸۹ء تک وہ قوانین جوں کے توں چھبیس برس سے ہمارے ہاں نافذ ہیں۔ سبب وہی ہے کہ سیاست کی گندگی ملوث ہو گئی۔

بھارت میں سیاست مسلمانوں کے لئے وجہ ترغیب نہیں ہے کیونکہ کسی کو بھی اس میں اپنے لئے امکانات نظر نہیں آتے۔ کسی بلی کو چھچھڑا نظر نہیں آتا۔ یہاں سیاسی اختلافات ختم کر کے ایک جگہ جمع بھی ہوتے ہیں تو باہم دگر لڑتے ہیں۔ ۷۷ء میں کیا ہوا کہ مذہبی عناصر ہی آپس میں منقسم ہوگئے۔ یہاں ایک افطار پارٹی میں علماء جمع ہوئے تو علیحدہ علیحدہ چھ جماعتیں ہوئیں' اس لئے کہ ہر ایک کے سامنے ایک نقشہ ہے' ہر ایک کو سیاست کے اندر اپنا مستقبل دیکھنا ہے' اپنی بھیڑوں کو علیحدہ منظم کرنا ہے۔ یہ فرق و تفاوت ہے اسے اگر سامنے رکھیں گے تو بہت سے حقائق ہمارے سامنے اجاگر ہو جائیں گے۔

حاصلِ کلام

ان حقائق سے کیا نتیجہ سامنے آیا؟ کیا سبق نکلتا ہے؟ اگرچہ میرے نزدیک وہ از خود اظہر من الشمس ہے۔ کسی کی نیت پر کوئی حملہ مقصود نہیں' اللہ شاہد ہے بدنیتی کے الزام کا شائبہ بھی میرے دل میں نہیں ہے۔ مذہبی سیاست کے بعض علمبرداروں کا ایک قول ہے اور اسے وہ ایک مثبت یافت کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ اگرچہ ہم پاکستان میں اسلامی نظام قائم نہیں کر سکے لیکن ہم نے یہاں کسی اور نظام کی جڑیں بھی جمنے نہیں دیں۔ یہ بات درست ہے' اپنی جگہ پر معقول بھی اور اس سے بڑھ کر کارکنوں کے جذبۂ کار کو برقرار رکھنے کے لئے مؤثر بھی ہے۔ لیکن ذرا اس تصویر کا دوسرا رخ دیکھئے اس کا منفی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پاکستان عدم استحکام کا شکار ہے' یہاں کوئی توازن قائم نہیں ہو سکا جو آیا اسے فکر رہی جیسا کہ آج بھی ہے کہ کسی طرح مینڈکوں کی پنسیری کو سنبھال کر رکھا جا سکے۔ کوئی سیاسی استحکام پیدا نہیں ہوا' سیاسی ادارے جنم نہیں لے سکے' کوئی سیاسی روایات قائم نہیں ہوئیں۔ نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج ہم سیاسی طور پر بحیثیت مجموعی نابالغ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ چیز ہمارے مستقبل کے اعتبار سے انتہائی خوفناک ہے۔

میں دو جملوں میں اس کا تجزیہ پیش کرنا چاہتا ہوں' اگرچہ اندیشہ ہے کہ اس سے غلط فہمی پیدا نہ ہو جائے میرا تجزیہ ہے کہ ہماری قوم بحیثیت مجموعی سیکولر مزاج کی حامل ہے۔ مذہب کا معاملہ متعلق ہے ذاتی زندگی سے۔ باقی زندگی کے گوشوں کا تعلق مذہب سے نہیں ہے۔ آج مذہب مسجد سے متعلق رہ گیا ہے' نماز سے' روزے سے۔ کاروبار سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں۔ ہر حرام چیز ہم نے اپنے لئے جائز کر لی ہے تو ہم نے سیکولر مزاج ملک کی گاڑی کو چلنے

نہیں دیا اسے روک کر کھڑے ہوگئے ہیں دین کی طرف لے جانے کے لئے جو محنت کرنی چاہئے تھی وہ نہیں کی بلکہ پاور پالی ٹیکس میں الجھ کر رہ گئے۔ ہم نے کبھی ایک دھڑے کا حصہ بن کر اسے کامیاب کرایا اور کبھی دوسرے دھڑے کے ساتھی بن گئے۔ یوں اصل طاقت بدستور جاگیردار طبقہ کے ہاتھ میں ہے' وہی ادھر سے ادھر ہوتے اور ہر بار پرانی حکومتوں کی لاش پر نئے اقتدار کا محل تعمیر کرتے ہیں۔ دین کے لئے جو کام کرنا چاہئے تھا وہ ہم نے نہیں کیا' خالص دینی مسئلے پر تحریک نہیں چلائی' سیاسی تحریکوں کا تتمہ بن گئے' الیکشن میں آئے تو ایک دوسرے کا مقابلہ کیا چنانچہ کوئی مثبت پیش رفت نہ ہو سکی۔ ۱۹۶۱ء کے فیملی لاء آرڈیننس کو تمام مکاتب فکر کے بڑے بڑے علماء نے خلاف اسلام قرار دیا تھا ——— لیکن اس کی بنیاد پر تحریک نہ اٹھائی' اس کی بنیاد پر جمع نہ ہوئے۔ شریعت کے اندر تحریف گوارا کی لیکن سارا زور ڈال دیا بحالیٔ جمہوریت کی تحریک پر۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں جو جمہوریت بحال ہوتی ہے' لازماً وہ ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کہ ہم ہیں۔ پہلی مرتبہ ایوب خاں کی ٹانگ آپ نے گھسیٹی پھر بھٹو کی اور دونوں مرتبہ جو نتیجہ نکلا' وہ آپ کے سامنے ہے۔ اب نومبر ۱۹۸۸ء کے انتخابات سے بحالیٔ جمہوریت کے بعد تو اور بھی عجیب نقشہ ابھرا ہے کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں جس کی سیاست میں ۵۰ سال سے اسلام کا نعرہ گونج رہا ہے اب وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر ایک خاتون فائز ہے۔ یہ اس تضاد کی انتہا ہے' جس میں ہم مبتلا ہیں' یہ سب ہماری غلط حکمتِ عملی کا نتیجہ ہے اور اگر یہ صورت حال جاری رہی تو شاید ہمارے پاس بہت تھوڑا سا وقت باقی ہو۔ ضرورت ہے کہ ہم صورت حال پر' اپنے اپنے طرزِ عمل پر از سرِ نو غور کریں۔ سنجیدگی سے' یکسوئی سے!

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ

دینی عناصر کے لیے

قرآن کا سہ نکاتی پروگرام اور چند عملی مشورے

۱۹ مئی کے خطاب جمعہ کی تلخیص

میں پچھلے جمعہ کے خطاب میں دینی و مذہبی قوتوں کی خالص سیاسی مہموں اور انتخابی سیاست میں اسلام کے نقطۂ نظر سے ناکامیوں اور احتجاجی، مطالباتی اور مظاہراتی تحریکوں میں اسی حوالے سے کامرانیوں کا میزانیہ ء نفع و نقصان پیش کر چکا ہوں۔ کامیابیوں کی فہرست میں ایک واقعہ کا ذکر رہ گیا تھا جو مطالبہ ء دستور اسلامی کے نتیجے میں پاس ہونے والی قرار دادِ مقاصد سے کم اہم نہیں۔ میں اس واقعہ کو بیسویں صدی کے اس حصے کا دوسرا معجزہ قرار دیتا ہوں کہ اہل تشیّع سمیت مسلمانوں کے جملہ مسالک کے اکتیس (۳۱) ممتاز علماء نے جن میں جماعت اسلامی کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور بھی شامل تھے، متفقہ طور پر دستور اسلامی کے بائیس (۲۲) اساسی اصول مرتب کئے جو قرار دادِ مقاصد کے پاس ہو جانے کے بعد اس عذر کا دندان شکن جواب بن گئے کہ اللہ کی حاکمیت اپنی جگہ، سوال یہ ہے کہ ہم کس کا اسلام نافذ کریں، سُنّیوں کا، شیعوں کا، دیوبندیوں کا، بریلویوں کا یا اہل حدیث کا؟..... دینی و مذہبی عناصر کی یہ کامیابی بھی مطالباتی تحریک کی مرہونِ منت تھی۔ اس میں سیاسی معرکہ آرائی کا قطعاً کوئی دخل نہ تھا، بنیاد تھی تو محض اسلام کے ساتھ خلوص و اخلاص اور اسلام کے ساتھ وفاداری بشرطِ استواری۔ اس مثال سے بھی میرے اس نظریہ کو تقویت ملتی ہے جو پچھلی تقریر میں پیش کر چکا ہوں کہ دین و شریعت کے لئے احتجاجی، مطالباتی اور مظاہراتی تحریکیں دینی و مذہبی عناصر کو یکجا کر کے ایک پلیٹ فارم پر جمع کرتی ہیں جبکہ سیاسی اور انتخابی مہم جوئی انہیں تقسیم کر کے سب سے زیادہ گھاٹے میں رہ جانے والا فریق بنا دیتی ہیں۔ علماء کے اس اتفاقِ رائے کا اثر نفع و نقصان کے میزانیہ میں یہ ہوا کہ ۱۹۵۶ء میں قرار دادِ مقاصد کو دستور کا حصّہ بنایا گیا جس کا مفہوم میرے نزدیک کلمہ طیبہ یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے کم نہیں اور اگرچہ نفاذ اسلام کے خواب کی تعبیر تو نہ ملی تاہم اتنا ضرور ہوا کہ اس کے لئے ایک مدّت کا تعیّن ہوا جس میں علماء بورڈ کی تشکیل کے ساتھ اس کے ذمہ یہ کام لگا دیا گیا کہ قوانین کو اسلام کے تابع بنانے کا کام کرتا رہے۔ ۱۹۵۸ء کا مارشل لاء اس دستور کی بساط الٹ نہ دیتا اور دینی و مذہبی عناصر

احتجاجی، مطالباتی اور مظاہراتی لائحہ عمل پر قائم رہتے تو قوی امید تھی کہ اسلام کے عملاً نفاذ کی منزلِ ہفت خواں بھی طے کر لی جاتی لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

پس چہ باید کرد

اب میرے ذمہ یہ عرض کرنا ہے کہ دینی و مذہبی عناصر جو نقصان اٹھا چکے، اس کے ازالے کی صورت کیا ہو اور حکمتِ عملی میں ایک بنیادی تبدیلی لانے کے کام کا آغاز کون کرے، کیسے کرے۔ انگریزی محاورے کے مطابق بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کی ہمت کس

دو سیاسی تحریکیں جن کا سہرا مذہبی جماعتوں کے سر بندھا

دو سیاسی تحریکوں کے مطالعہ سے ایک عجیب و غریب لیکن عبرت انگیز صورت حال سامنے آتی ہے جو دونوں کی دونوں مذہبی عناصر کی رفاقت کے باعث کامیاب ہوئیں کہ پاکستان کے مسلمان دین و مذہب سے عملاً چاہے کتنی ہی دور ہوں، گولیوں کے لئے سینہ اسلام کے نام پر ہی کھولتے ہیں۔ پہلی نفاذ اسلام کے لئے بحالیء جمہوریت کی تحریک کے نتیجے میں جو فی الحقیقت اینٹی ایوب خان مہم تھی، اقتدار آخر کار پیپلز پارٹی کو منتقل ہوا جس کا مقصد سوشلزم اور سیکولرازم کا قیام تھا یا نہیں لیکن اسلام کے لئے اس کے پروگرام میں بہرحال کوئی جگہ نہ تھی اور دوسری نظام مصطفیٰ تحریک کا حاصل یہ رہا جو دراصل اینٹی بھٹو مہم تھی کہ حکومت و اختیار اسی پارٹی کے ہاتھوں سے نکل کر ایک فوجی آمر کی ذات میں مرتکز ہو گیا جو پہلی تحریک کے نتیجے میں بر سر اقتدار آئی تھی۔ طویل فوجی آمریت نے اسلام کے نام کو استعمال کر کے ملک خداداد کے مستقبل میں وہ کانٹے بو دیئے ہیں جن کی فصل کاٹتے نہ جانے کب تک قوم لہولہان ہوگی۔ یہ دونوں منفی نتائج مذہبی عناصر کی غیر دینی سیاست ہی کے کھاتے میں ڈالے جائیں گے کیونکہ متذکرہ دونوں تحریکوں کی کامیابی کا سرا مذہبی عناصر کے سر ہے۔

میں ہے؟۔ میری گزارش ہے کہ کرنے کا اولین کام انتخابی سیاست سے کنارہ کشی کر کے اسلام کے حق میں مہماتی، مطالباتی، مظاہراتی اور احتجاجی سیاست کرنا ہے۔ تلافیٔ مافات کی اولین شرط یہی ہے کہ انتخابی محاذ سے پسپائی اختیار کر کے پاور پالی ٹیکس سے منہ موڑ لیا جائے۔ مطمحِ نظر یہ ہو کہ مسندِ اقتدار پر کوئی بھی جلوہ افروز ہو، کوئی آئے کوئی جائے، ہمیں گاؤ آمد خر رفت سے غرض نہیں محض اسلام چاہئے اور اس کے لئے ہم گردنیں کٹوانے کے لئے تیار ہو کر میدان میں اتریں۔ یہ نہ کیا جائے تو یاد رکھئے کہ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔

مہلتِ عمل اگر کوئی ہے' تو تیزی کے ساتھ ختم ہو رہی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ فیصلہ آسان نہیں' ایک بڑا ہی کڑوا گھونٹ ہے جو نگلنا پڑے گا۔ سالہا سال میں بنے ہوئے مزاج اور ذہن میں رچے بسے منصوبے بدلنا واقعی بہت مشکل کام ہے لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں۔ نفع و نقصان کا یہ میزانیہ دیکھ اور سمجھ لینے کے بعد اس کی ہمت دینی و مذہبی عناصر کو اپنے اندر پیدا کرنی ہی ہوگی۔

عام انتخابی سیاست اور اسلام کے حق میں احتجاجی سیاست میں تقابل یہ ہے کہ اولاً انتخابی سیاست تقسیم کرتی ہے جبکہ مئوخر الذکر ہمیں جمع کرتی ہے۔ آج تک احتجاجی سیاست میں ہم کتنی ہی بار جمع ہوئے ہیں لیکن انتخابی سیاست نے دین و مذہب کے علمبرداروں میں تفرقہ ہی نہیں ڈالا' مذہبی بلکہ مسلکی جماعتوں تک کو داخلی تقسیم سے دوچار کر دیا۔ بریلوی حضرات جنہیں سوادِ اعظم ہونے کے دعوے کے ساتھ اپنی قوت پر بجا ناز تھا' حصوں بخروں میں بٹ گئے ہیں اور اب توان کے اکھاڑے میں ایک نیا پہلوان بڑی آن بان اور شان کے ساتھ اترنے والا ہے۔ ان حضرات کی انتخابی سیاست کے میدان میں گھمسان کا رن پڑنے والا ہے۔ آن بان اور شان کے ساتھ میدان اور گھمسان کا قافیہ ہی نہیں ملا' عنقریب منظر پر یہ سب کچھ گڈمڈ ہو کر نمودار بھی ہوگا۔ نئے پہلوان کے بارے میں سنا تھا کہ انقلاب کی بات کرتے ہیں لیکن انقلاب کے پٹارے سے انتخاب ہی نکلا' فلسفہء انقلاب کا پہاڑ کھود کر انتخاب کی چوہیا ہی برآمد کی گئی ہے جس سے صورت حال پہلے سے بہت زیادہ مخدوش ہو جائے گی۔ انقلاب کے اسی داعی کا کیا ذکور' جمعیت علماء اسلام کا حال بھی مختلف نہیں۔ میں نے مینارِ پاکستان پر اس کے دونوں دھڑوں کی "انقلابی کانفرنسوں" میں شرکت کی ہے۔ انقلاب کے بلند بانگ نعروں اور دھواں دھار تقریروں کے بعد تان بالآخر وہاں بھی انتخاب پر ہی آکر ٹوٹی۔

ثانیاً انتخابی سیاست میں طالع آزماؤں کے آگے آجانے کا خطرہ موجود رہتا ہے جنہیں خواہشِ اقتدار اور نا آسودہ آرزوئیں کہیں سے کہیں پہنچا کر دم لیتی ہیں۔ ایک مذہبی جماعت کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے رکن اسمبلی کے مخالف سیاسی کیمپ میں چلے جانے کو نئے رفقاء کا کھلا کھلا سیکولرازم بھی روکنے میں بعض اوقات ناکام رہا ہے۔ آج بھی جمعیت علماء پاکستان اپنے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے ایک رکن قومی اسمبلی کے خلاف ریفرنس داخل کرنے کی تیاری کر رہی ہے جو پیپلز پارٹی کی حکومت سے جا ملے۔ جماعت اسلامی جیسی تنظیم بھی ایسے چرکوں سے محفوظ نہیں رہی۔ کراچی میں ان کے عباس باوزیر ۱۹۸۵ء کے صوبائی الیکشن میں جماعت

کی "غیر جماعتی" حمایت سے منتخب ہوئے اور کچھ ہی دنوں بعد حکومتی مسلم لیگ میں نظر آنے لگے۔ باوزیر آخر کار باوزارت ہو کر رہے۔ انتخابی سیاست میں کالی بھیڑوں کے آگے آجانے کے امکانات کے برعکس مہماتی، مطالباتی اور احتجاجی سیاست میں صرف وہ لوگ ہراول دستے کا حصہ بنتے ہیں جو ایثار و قربانی کے لئے تیار ہوں، سر پر کفن باندھ کر آئے ہوں، لاٹھی گولی کھانے اور جیل جانے پر آمادہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ اقتدار کے خواہاں اس کوچے کا رخ کیوں کریں گے۔

ثالثاً انتخابی سیاست میں حصہ لینے والوں کے بارے میں عام و خاص ہر شخص یہ جانتا ہے کہ وہ لیلائے اقتدار کے ہجر میں مر رہے ہیں اور چاہے ان کی کامیابی کا امکان پانچ فی صد ہو، خواہشِ اقتدار ان پر تہمت نہیں سمجھی جاتی۔ نہ اس سے ان کے مرتبہ و مقام میں کوئی کمی آتی ہے، نہ وقار میں اور نہ سیاسی کیریئر کو کوئی ضعف پہنچاتی ہے لیکن دینی و مذہبی جماعتوں کی قیادتیں خواہ کتنی ہی مخلص کیوں نہ ہوں..... اور میں ان میں سے اکثر کے بارے میں حسنِ ظن رکھتا ہوں کہ اقتدار کی خواہش اپنے لئے نہیں، اسلام کی سربلندی کے لئے رکھتے ہیں..... انتخابی عمل میں ان کی شرکت عام لوگوں کے ذہن میں بدگمانی پیدا کرتی ہے کہ یہ بھی حکومتی اختیار اور دبدبہ کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ یہ بدگمانی ان کی دینی حیثیت اور ان کے دینی کام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کا باعث بنتی ہے۔ دینی و مذہبی جماعتوں کا احترام اپنی جگہ لیکن وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں تو شک و شبہ سے بالاتر ہرگز نہیں ہو سکتے جو ایک خاتون کے ساتھ صبح کے دھندلکے میں اپنے ایک جانثار صحابیؓ کے قریب سے گزرے تو پلٹ کر انہیں آواز دی اور قریب بلا کر فرمایا مبادا تمہارے دل سے کوئی اور خیال گزرے، یہ خاتون میری فلاں اہلیہ ہیں۔

رابعاً انتخابی سیاست میں کامیابی کے لئے اکثریت درکار ہے۔ وہ اکثریت جس میں عالم فاضل اور اجڈ گنوار برابر ہیں۔ دین دار، پرہیزگار اور باعمل مسلمان کا ووٹ اس کے مذہب سے بیزار اور فکرِ آخرت سے آزاد دوسرے مسلمان بھائی کے ووٹ سے رتی بھر زیادہ وزنی نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ انتخابی عمل میں تو جمہور کی عملداری ہے، جمہوریت کا دور دورہ ہے جس میں "بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے"۔ جبکہ نص قرآنی ہے کہ "اگر تم زمین کے اندر اکثریت کی پیروی کرو گے تو وہ تو تمہیں گمراہ کر کے رہیں گے"۔ اس کے مقابلے میں مظاہراتی اور احتجاجی سیاست میں ایک اقلیت بھی کامیاب ہو جاتی ہے۔ بلکہ اقلیت ہی کامیاب ہوتی ہے۔

وہ اقلیت جس میں مقصد سے لگن ہو' قربانی کا جذبہ ہو' جو تن من دھن لگا کر سروں پر کفن باندھ کر میدان میں آجائے اور جو پوری طرح منظم بھی ہو۔

اے بادِ صبا! ایں ہمہ آوردۂ تست

۱۹۶۲ء کا سن ایک یادگار سال ہے۔ اس میں پہلے اسلام کے عائلی قوانین کو ایوب خاں نے پامال کرنے کی جسارت کی جس کی مخالفت میں اور دین میں ایسی مداخلت قرار دینے میں جو انگریز حاکم بھی نہ کر سکے تھے' ملک کے تمام دینی و مذہبی حلقے یک زبان ہوگئے۔ دیوبندی' بریلوی' اہل حدیث' شیعہ اور جماعت اسلامی میں مکمل اتفاق رائے تھا لیکن ایوب خاں کے عائلی قوانین کے خلاف کوئی تحریک نہ چلائی گئی۔ البتہ اسی سال تحریک بحالیء جمہوریت کا آغاز ضرور ہوا جس کے لئے انہی دینی حلقوں نے جو مداخلت فی الدین پر محض بیانات داغنے پر اکتفا کرتے رہے تھے' خالص سیکولر سیاسی عناصر کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر میدان کارزار میں داد شجاعت دی۔ اے کاش ایسا نہ ہوا ہوتا۔ انہوں نے دین کو سیاست پر ترجیح دے کر ایوبی عائلی قوانین کے خلاف تحریک چلائی ہوتی تو محاذ آرائی (POLARISATION) مذہب و شریعت کے حق میں اور خلاف ہوتی' جمہوریت کے سوال پر نہ ہوتی۔ شریعت کے ساتھ رویہ میں یہ ایک طرح "گربہ کشتن روزِ اول" والی بات تھی' پھر مسلمان کہلانے والی ہماری بہنوں بیٹیوں کو یہ ہمت ہرگز نہ ہوتی کہ شہادت کے قانون میں اس آدھی گواہی کے مسئلے پر سڑکوں پر نکل کر حکومت کو ناکوں چنے چبوا دیتیں جو کسی حدیث مبارک سے ماخوذ نہیں' کسی فقیہہ کا اجتہاد نہیں بلکہ نصِ قرآنی ہے اور ایک منطقی انتہاء کے طور پر یہ روزِ بد بھی دیکھنا نصیب نہ ہوتا کہ ایک آزاد خیال خاتون عظیم اسلامی ملک کی وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر فائز ہیں۔ آج دینی حلقوں کی نگاہیں شرم سے زمین میں گڑی ہوئی ہیں بالکل اسی طرح جیسے قراردادِ مقاصد پاس کرتے ہوئے ہماری مجلس دستور ساز کے نام نہاد ترقی پسند اراکین جدید دنیا سے آنکھیں چرا رہے تھے۔ کاش دینی اور مذہبی حلقوں سے یہ کہنے کا موقع نہ پیدا ہوا ہوتا کہ "اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست" ......

سہ نکاتی پروگرام

اس فرق و تفاوت سے جو بات کھل کر سامنے آئی وہ یہ ہے کہ احتجاجی' مطالباتی اور مظاہراتی سیاست کا مقصد معاشرے میں ایک ایسے مؤثر عامل کی افزائش ہے جو جدید سیاسی

اصطلاح میں "پریشر گروپ" کا کام دے۔ قرآنی اصطلاح میں یہی "نہی عن المنکر بالید" کے لئے تیاری ہے۔ اسلام کے لئے، شریعت کے لئے، دینی شعائر کے حق میں مظاہروں اور گھیراؤ کے ذریعے رائے عامہ کا دباؤ استعمال کرنا اس کا سب سے فعال مرحلہ ہوگا۔ لیکن دباؤ کے یہ سب ذرائع حد درجہ منظم انداز میں اختیار کئے جائیں گے۔ پرامن رہنا اور توڑ پھوڑ سے

سندھ کی صورتِ حال مشرقی پاکستان کے معاملے سے بدتر ہے

آج کے اخبارات میں ایک تشویش ناک اور دوسرا فکر انگیز بیان شائع ہوا ہے۔ رسول بخش پلیجو نے مہاجروں کو "نمک حرام" قرار دیا ہے گویا نوبت اب ننگی گالیوں تک آپہنچی اور دوسرے بیان میں بزرگ سیاست دان نوابزادہ نصراللہ خاں نے سندھ کے حالات کو مشرقی پاکستان کی صورت حال سے زیادہ تشویش ناک قرار دیا ہے جس نے بنگلہ دیش کو جنم دیا۔ جی چاہتا ہے کہ ان سے پوچھوں کہ سندھ کے حالات کی نزاکت انہیں آج ہی کیوں نظر آئی ہے؟۔ کیا پہلے اس لئے دکھائی نہ دیتی تھی کہ بحالیء جمہوریت کی دھن میں مگن رہنے کے باعث انہیں کسی اور بات کا ہوش نہ تھا۔ مجھ جیسے غیر سیاسی آدمی نے ۱۹۸۲ء میں جنرل ضیاء الحق کے نام اپنے خط میں انہیں خبردار کیا تھا کہ سندھ کا معاملہ اپنی نوعیت میں بنگلہ دیش کی تحریک سے مختلف نہیں اور مزید وضاحت کی کہ بہت زیادہ بدتر ہے۔ یوں کہ بنگلہ دیش کے فدائیوں نے پاکستان سے بیزاری کا اظہار کیا تھا دین سے نہیں جبکہ سندھو دیش کے حامی صرف پاکستان ہی سے نفرت نہیں کرتے، اسلام کو بھی گالی دیتے ہیں۔ کراچی میں ایک صاحب آج بھی موجود ہیں جن کی زبانی میں نے یہ واقعہ سنا کہ مکتی باہنی والے سترہ غیر بنگالیوں کو پکڑ اور باندھ کر ویرانے میں لے گئے۔ انہیں ایک لائن میں کھڑا کر کے سفاک قاتلوں نے وضو کیا، دو نفل نماز پڑھی اور پھر بلند آواز سے یہ اجتماعی دعا کی کہ اے اللہ تو جانتا ہے کہ ہم تیرے ان بندوں کو تہ تیغ کرنے پر مجبور ہیں، ہمارا یہ فعل ظلم کا حصہ نہیں بلکہ ظالموں سے بدلہ لینے کی ایک شکل ہے جس پر تو ہمیں یقیناً معاف فرمائے گا۔ اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے سترہ مسلمان بھائیوں کو گولیوں سے بھون کر رکھ دیا اور اس واقعہ کے راوی چونکہ بندھے ہوئے ساتھیوں کے ڈھیر میں گولی کا شکار ہوئے بغیر دب گئے تھے جن کی لاشوں کو ٹھکانے لگانے کا تردد بھی مکتی باہنی کے رضاکاروں نے نہ کیا، لہٰذا زندہ بچ رہے۔

اجتناب اولین شرط ہے۔ شائستگی اور متانت لیکن اپنے موقف پر چٹان کی طرح جمے رہنا طرۂ امتیاز ہوگا۔ اپنی جانیں دینے کے لئے مظاہرین تیار ہوں گے لیکن کسی جاندار کو کیا، گھاس کے تنکے کو بھی نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ بسیں نہیں جلیں گی، سڑکوں پر ٹائر جلا کر فضاء کو

آلودہ نہیں کیا جائے گا' قومی سرمایہ ضائع نہیں ہوگا۔ یہی دورِ جدید میں "نہی عن المنکر بالید" ہے جس کا سہ نکاتی پروگرام سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ میں بیان ہوا ہے۔ پہلا یہ کہ پہلے خود مسلمان اور متقی بنو دوسرا یہ کہ اس کے بعد جمع ہو جاؤ' متفرق نہ رہو' جمعیت فراہم کرو اور تیسرا یہ کہ اس جمعیت کو پھر بھرپور طریقے سے استعمال کرو' کس کام میں..... "تم سے ایک ایسی امت وجود میں آئے جو خیر کی طرف دعوت دے' نیکی کا حکم کرے' اور برائی کو روکے۔ صرف یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے"۔

یہ سہ نکاتی پروگرام پہلا مرحلہ ہے اور فلاحِ اخروی پانے کے پروگرام کا نقطۂ عروج سورۃ التوبہ کی آیات ۱۱۱ اور ۱۱۲ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ مال و جان ہتھیلی پر رکھ کر نہی عن المنکر کے میدانِ کارزار میں اتر جایا جائے کیونکہ "اللہ نے جانیں اور مال خرید لئے ہیں اہل ایمان کے جنت کے بدلے میں" لیکن اس کے لئے وہ لوگ درکار ہیں جو نو (۹) شرائط پوری کرتے ہوں اور آیت ۱۱۲ میں ان نو صفات کا ذکر ہے جن کے بغیر یہ شرطیں پوری نہیں ہوتیں۔ دینی اور مذہبی عناصر کے کرنے کا کام ابتدائی سہ نکاتی پروگرام پر عمل کرتے ہوئے اس کے درجۂ کمال' نقطۂ عروج کی طرف سفر جاری رکھنا ہے۔ لیکن کیا ان سب لوگوں میں اس کا دم خم ہے؟۔ ان کے اصل حال سے تو اللہ تعالیٰ ہی پوری طرح واقف ہے اور وہی جانتا ہے کہ یہ بلند مرتبہ کس کے نصیب میں ہے۔ میں تو اپنے علم اور اپنے احساسات کی حد تک ہی سوچ سکتا ہوں اور میری یہ سوچ خوش فہمی پر مبنی بھی ہو سکتی ہے لیکن مایوسی کے اندھیرے میں امید کا چراغ روشن رکھنے کی غرض سے نام بہ نام کچھ جماعتوں اور گروہوں سے توقعات کا اظہار کروں گا۔ کیا عجب کسی کے دل میں میری بات اتر جائے۔ امکانات بظاہر معدوم نظر آتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہیں۔ لوگوں کے دل اس کی انگلیوں کے درمیان ہیں' جدھر چاہے پھیر دے اور کسی جماعت کی سمجھ میں میری بات آجائے جو میں نے اپنے پاس سے نہیں بنائی' ۴۳ قمری سالوں کے تجربات کی روشنی میں اور نصوصِ قرآنی کے حوالے سے بیان کی ہے تو میں خود اور میری تنظیم اس جماعت کے ادنیٰ خادموں اور پیروکاروں میں شامل ہونے کو خوش نصیبی سمجھیں گے۔ بصورتِ دیگر میرا آوازہ صدا بصحرا ثابت ہوا اور دلوں کے بند کواڑ کھلوانے میں کامیاب نہ ہوا تو تنظیمِ اسلامی انشاء اللہ تن تنہا اس راستے پر گامزن رہے گی اور میں وہی کام کرتا رہوں گا جس میں زندگی کے تیئیس (۲۳) سال لگائے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے توفیق و تائید طلب کرتا رہوں گا کہ آخری سانس تک شب و روز کا مصرف یہی رہے۔

تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے اسلام

اب مہماتی سیاست کا راستہ اختیار کریں

قیامِ پاکستان کے بعد اب تک کے تجربات سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ مروّجہ انداز کی سیاست میں حصہ لے کر یعنی انتخابی مہمات سے دینی و مذہبی عناصر نے کوئی مثبت فائدہ حاصل نہیں کیا اور میں وضاحت کر چکا ہوں کہ یہ ممکن بھی نہ تھا۔ اس کے برعکس احتجاجی، مطالباتی اور مظاہراتی سیاست کے ذریعہ متعدد بار میدان مارے گئے اور ان کی مثالیں بھی پیش کر چکا ہوں۔ اس فرق و تفاوت کی وجہ یہ بیان کی کہ انتخابی سیاست دینداروں کو تقسیم کرتی ہے جبکہ احتجاجی، مطالباتی اور مظاہراتی سیاست (جسے اختصار کے لئے مہماتی سیاست کہا جاسکتا ہے) ان دینی عناصر کو بھی جمع کرنے میں کامیاب رہی اور آئندہ بھی رہے گی جن میں مسلک کے اختلافات نے بظاہر خلیج حائل کر رکھی ہے۔ انتخابی سیاست میں طالع آزماؤں کے اوپر آجانے کے زیادہ امکانات ہیں اور اس صورت حال کے مفاسد نے ہماری قومی سیاست میں تو غلاظت پیدا کی ہی تھی، مذہبی سیاسی عناصر کو بھی آلودہ کر کے چھوڑا جبکہ مہماتی سیاست میں ایثار و قربانی کا جذبہ رکھنے والے ہی آگے آتے ہیں۔ پھر انتخابی سیاست میں حصہ لینے والوں کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ ان کا مطمحِ نظر حصولِ اقتدار ہے اور یہ خواہش نہ سیاست دان خود چھپاتے ہیں، نہ ووٹ دینے والوں کو اس خواہش میں کوئی عیب نظر آتا ہے جبکہ دینی و مذہبی عناصر میں سے اکثر لوگ خواہشِ اقتدار سے بے نیاز ہوتے ہوئے بھی انتخابی سیاست میں آکر اسی الزام کے سزاوار ٹھہرتے ہیں جس سے ان کی مذہبی حیثیت اور مقام دونوں معکوس اثر قبول کرتے ہیں اور ان کا دینی کام بھی متاثر ہوتا ہے۔ آخری بات یہ کہ انتخابی سیاست میں کامیابی کے لئے اکثریت درکار ہوتی ہے جو نصِ قرآنی کے مطابق "گمراہ کر کے چھوڑنے" والا عامل ہے جبکہ مہماتی سیاست میں مقصد سے لگن رکھنے والی لیکن منظم اقلیت نہ صرف اکثریت کا نعم البدل ثابت ہوتی ہے بلکہ اسے پیچھے بھی لگا لیتی ہے۔ یہ مہماتی سیاست جدید اصطلاح میں دراصل ایک "پریشر گروپ سازی" ہے اور دینی اصطلاح میں "نہی عن المنکر بالید" جس کا سہ نکاتی پروگرام سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کے مطابق یہ ہے کہ پہلے خود مسلمان اور متقی

بنو' پھر یہ کہ متفرق نہ رہو بلکہ جمعیت فراہم کرو اور آخر میں اس قوت کا بھرپور استعمال نیکی کا حکم دینے اور برائی کو روکنے میں کرتے رہو۔ اسی پروگرام کا نقطۂ عروج سورۃ کی آیات ۱۱۱ اور ۱۱۲ میں بیان ہوا ہے کہ جان و مال ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آجاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے جان و مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں۔

ایک آسانی جو مشکل ہو گئی

ہمارے اکثر دینی و مذہبی عناصر کے لئے مروّجہ انتخابی سیاست سے جان چھڑا کر اپنے آپ کو دین اور شریعت کے حق میں مہماتی سیاست کے لئے وقف کر دینا اب آسان تو نہیں رہا کہ وہ مروّجہ سیاست میں بری طرح ملوث ہو چکے ہیں۔ تاہم ان میں سے کوئی گروہ اللہ کی توفیق سے یہ کڑوا گھونٹ بھر لے تو اپنی جماعت 'تنظیمِ اسلامی' سمیت میں کسی مقام و مرتبہ کا مطالبہ کئے بغیر اس کا ادنیٰ خادم اور پیرو کار بننے میں سعادت محسوس کروں گا۔ بصورت دیگر مجھے تو تن تنہا اسی راستہ پر سفر کرنا ہے۔ اب میں ان جماعتوں کا ترتیب وار ذکر کر رہا ہوں جو میرے نزدیک مہماتی سیاست کے سہ نکاتی پروگرام پر چلنے اور اس کے نقطۂ عروج کی طرف سفر جاری رکھنے کے زیادہ اہل بھی ہیں اور اس کا حق بھی رکھتے ہیں۔

تبلیغی جماعت

میرے سامعین حیران ہوں گے کہ آج میں اس کام کی اہل ترین اور سب سے زیادہ حقدار جماعتوں میں تبلیغی جماعت کو سرِ فہرست رکھ رہا ہوں۔ تاہم مجھے توقع ہے کہ وہ میری بات بہت آسانی سے سمجھ لیں گے اور پھر کوشش کریں گے کہ تبلیغی جماعت کے بزرگوں تک اپنے اپنے ذرائع سے یہ پیغام پہنچائیں۔ اس جماعت کے حلقہ بگوشوں کی تعداد لاکھوں میں ہے جن میں ذوقِ عبادت بھی ہے اور اتباعِ سنت بھی۔ نماز روزے کا اہتمام ہے اور چھوٹی چھوٹی سنتیں بھی انہیں نورانی معلوم ہوتی ہیں' سادگی ہے اسراف و تبذیر نہیں' گویا انہوں نے اسلامی معاشرت اختیار کی ہے ان میں حرکت بھی ہے۔ وہ تفریغِ اوقات یعنی دین کے لئے وقت نکالنے کی مشق کرتے اور اس عادت کو پختہ کرتے ہیں۔

گھر کے آرام چھوڑ کر باہر نکلتے اور سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہیں۔ سفر آخر سفر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق جدید ترین سہولیات کے باوجود سفر آج بھی عذاب کا ایک ٹکڑا ہی ہے۔ ان سب مراحل سے تبلیغی جماعت گزر کر گویا اہلیت (PRE-QUALIFICATION) کا مرحلہ طے کر چکی ہے۔ یہ لوگ پیش قدمی کریں یعنی تیاری

کے دائرے میں سفر کرتے رہنے کی بجائے بقول اقبال اس لائحہ عمل کو اپنائیں کہ۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ رسمِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

تو یہ میدان میں نکلنا ہو گا اور حد درجہ قابلِ توجّہ بات یہ ہے کہ ان کے لئے یہ کام پیش قدمی یعنی آگے بڑھنا ہو گا' پسپائی یعنی پیچھے ہٹنا نہیں۔ مروّجہ سیاسی میدان میں سرگرم جماعتوں کے لئے انتخابی سیاست کی بساط لپیٹ کر پسپائی اختیار کرنے کا جو مشکل فیصلہ پاؤں کی زنجیر بن گیا ہے' اس سے یہ لوگ آزاد ہیں۔ تبلیغی جماعت کو "بانشہ ءدرویشی در سازو دمادم زَن" پر عمل کرتے ہوئے تو پچاس برس ہو گئے' اب اگلا قدم یعنی "چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زَن" اٹھایا جانا چاہئے ورنہ یہ پروگرام ہمیشہ ادھورا رہے گا۔

تبلیغی جماعت کا بھولا ہوا سبق

ان کے داعیٔ اوّل اور مؤسّس مولانا محمد الیاسؒ کا یہ قول ریکارڈ پر موجود ہے کہ میں اصلاً جماعت حضرت شیخ الہندؒ کا آدمی ہوں' وہ شیخ الہندؒ جہادِ حریت میں جن کی ہڈیاں گھل گئیں' جو اسی جرم میں اسیرِ مالٹا رہے لیکن افسوس کہ آج ہمارے تبلیغی بھائی اس پروگرام کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ بھولا ہوا سبق انہیں یاد دلانا آسان نہیں۔ کاش یہ بات ان کی سمجھ میں آجائے کہ "امر بالمعروف" سے پہلے "نہی عن المنکر" کا ذکر آتا ہے۔ وہ اقامتِ دین' غلبہ دین کی جدّوجہد' حکومتِ الٰہیہ' اسلامی انقلاب اور مہماتی سیاست جیسی اصطلاحات کے حوالے کو جانے دیں صرف اسی ایک حقیقت پر غور فرمائیں کہ ہدایت کے اصل سرچشموں یعنی قرآن و حدیث میں نہی عن المنکر اور امر بالمعروف ہمیشہ جوڑے کی شکل میں آیا ہے۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کے اس مستقل پروگرام کا ذکر متعدّد مقامات پر ان دونوں شقوں پر مشتمل ہے اور کسی جگہ اگر محض ایک شق پر علیٰحدہ سے زور دیا گیا تو وہ "نہی عن المنکر" ہے "امر بالمعروف" نہیں۔

اللہ کے لئے یہ آسان ہے

مجھے احساس ہے کہ تبلیغی جماعت کو دین و شریعت کے حق میں مہماتی سیاست کے لئے میدان میں نکلنے پر آمادہ کرنا آسان نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے اس میں کیا مشکل ہے۔ وہ اگر ان حضرات کو توفیق دے تو یہ اس کام کے لئے اہل ترین لوگ ہیں' انہیں اس کا سب سے

زیادہ حق پہنچتا ہے کیونکہ وہ اس کے لئے ابتدائی کام کرکے مطلوبہ اہلیت (PRE-QUALIFICATION) حاصل کر چکے ہیں۔

جماعتِ اسلامی اور جمعیت علمائے اسلام

دوسرے درجہ میں دو جماعتوں کا نام لوں گا جو ان دِنوں انتخابی سیاست میں بہت گہرائی تک اتری ہوئی ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک اور اللہ توفیق دے تو دونوں اگر فیصلہ کرلیں کہ انتخابی میدان سے پسپائی اختیار کرلی جائے تو یہ ناممکنات میں سے ہرگز نہیں۔ آخر مجلس احرارِ اسلام نے بھی تو ایک موقع پر یہ فیصلہ کر ہی لیا تھا کہ ہم سیاست کے میدان سے نکل رہے ہیں۔ اگر کوئی جماعت دین کے لئے غیر سیاسی کام کرتے کرتے یہ فیصلہ کر سکتی ہے کہ اب ہم سیاست کے میدان میں اتر رہے ہیں جیسا کہ ایک پہلوان نے انہی دنوں کیا تو کوئی دینی جماعت سیاست کا کھیل کھیلتے کھیلتے یہ فیصلہ کیوں نہیں کر سکتی کہ دین و مذہب کے مفاد میں وہ سیاست کے اکھاڑے کو خیرباد کہہ رہی ہے۔ جن دو جماعتوں کا نام میں نے لیا وہ اگر یہ فیصلہ کرلیں تو دو خوبیاں جمع ہو جائیں گی۔ ان میں سے ایک کی تنظیم بہت مضبوط ہے تو دوسری کا حلقہ اثر بہت وسیع کہ وہ دیوبندی علماء کے حلقہ اثر پر مشتمل ہے۔ مہماتی سیاست میں آجائیں تو یہ دونوں گروپ جمع ہو جائیں گے کیونکہ نزاع اور اختلاف کی وجہ انتخابی سیاست ہے جو فساد پیدا کرتی ہے۔ ان کے لئے مروّجہ سیاست سے رجوع کرنا ایک کڑوی گولی نگلنے کے مترادف اور دراصل توبہ کی ایک شکل ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اعتراف کریں کہ قیام پاکستان کے بعد چالیس سال کی مدت انتخابی سیاست میں جھونک کر انہوں نے غلطی کی ہے اور پلٹ آئیں۔ یہی توبہ کا مفہوم ہے۔

خیر کا ایک بڑا پہلو

میں ان دونوں جماعتوں..... اور اگر تین کہا جائے تب بھی غلط نہیں کہ ان میں سے ایک دو دھڑوں میں منقسم ہے..... کے اجتماعی یا ان میں سے جس کو بھی توفیق کی ارزانی ہو جائے' اس کے انفرادی فیصلے میں خیر کا ایک بڑا پہلو یہ دیکھتا ہوں کہ وہ فعّال اور مؤثر دینی و مذہبی عناصر بھی جو مروّجہ سیاست سے علیٰحدہ رہ کر دین کی خدمت میں مصروف ہیں' دارالعلوم چلا رہے ہیں' تصنیف و تالیف کر رہے ہیں' درس و تدریس میں مشغول ہیں' دین و شریعت کے حق میں مہماتی سیاست میں ان جماعتوں کے دست و بازو بن جائیں گے۔ اس کی ایک نمایاں مثال متحدہ شریعت محاذ ہے جس میں تھانوی حلقے کے علماء اور مفتی محمد شفیعؒ کے صاحب زادگان بھی

شریک ہوگئے حالانکہ یہ حضرات انتخابی سیاست کے قریب بھی پھٹکنے کو تیار نہیں۔ بریلوی علماء میں سے مفتی محمد حسین نعیمی صاحب اور دیوبندی مکتبۂ فکر کے اسی شہر لاہور میں چوٹی کے دو مدرسوں کے سربراہ بھی سرگرم ہوگئے تھے جو انتخابی سیاست میں ملوث نہیں ہوتے اور جماعتی سیاست سے بالاتر ہیں۔

ضمنی فوائد

سیاسی میدان سے پسپائی اختیار کرنے کا کڑوا گھونٹ بھرنے والی دینی و مذہبی جماعت یا جماعتوں کو کیا فوائد حاصل ہوں گے؟۔ پہلا یہ کہ ہمارے عوام کے ان تمام مایوس عناصر کی ہمدردیاں حاصل ہوں گی جن کا سب سے بڑا الزام ہی یہ ہے کہ دینی جماعتوں کے آپس کے اختلافات کی وجہ سے اسلام نہیں آرہا۔ دوسرا یہ کہ باقی مذہبی عناصر جو الیکشن کے اکھاڑے میں موجود رہنے پر مصر ہیں سیاست کو خیرباد کہنے والی جماعت یا جماعتوں کی طرف رجوع کریں گے تاکہ ان کے حلقہ اثر کے ووٹ حاصل کر سکیں لہٰذا تلخی کم ہوگی' محبت پیدا ہوگی اور تیسرا وہی جس کا ذکر پہلے کرچکا ہوں کہ میں اور میری تنظیم اسلامی ایسی جماعت یا جماعتوں کے ادنیٰ خادموں میں شامل ہوں گے۔ میں نے متحدہ شریعت محاذ میں بھی اسی جذبہ سے شرکت کی تھی اور علیٰحدگی اختیار کی تو اس وقت جب دیکھ لیا کہ یہ اصل میدانِ کارزار میں اترنے کو تیار نہیں۔ لوگ اسمبلیوں سے استعفاء دینے کو تیار نہ ہوئے۔ کچھ بعد بساط الٹ گئی تو سب ہی اسمبلیوں سے باہر تھے لیکن اس موقعہ پر معدودے چند حضرات بھی از خود اس محرومی کو گلے لگانے کو آمادہ نہ ہوئے اور غبارے میں سے ہوا نکل گئی۔

میں نے حد درجہ خلوص و اخلاص سے یہ باتیں کہیں اور پہلے بھی کہتا رہا ہوں لیکن انہیں توجہ کے قابل نہ سمجھا گیا تو میرا راستہ بہرحال یہی ہے جس میں عمر عزیز کے تیئیس (۲۳) سال لگا چکا ہوں۔ اسی کے حق میں اپنے دو خطباتِ جمعہ میں میں نے شواہد پیش کئے اور دلائل بھی دیئے ہیں۔

اب میدان میں نکلیں

تبلیغی جماعت نے اپنے لاکھوں وابستگان کو نیکی کا پرچار کرنے اور خود چھوٹی سے چھوٹی نیکیاں تک کمانے میں محنت کرنے کی تربیت دی ہے۔ اب اسے اپنی یہ قوت برائیوں کو روکنے اور ان کے راستے بند کرنے کے لئے میدان میں لانی چاہئے۔ یہ لوگ بے غرضی سے اور نام و

(باقی : صفحہ ۶۱)

نوا را تلخ ترمے زن چو ذوقِ نغمہ کمیابی
حُدی را تیز ترمے خواں چو محمل را گراں بینی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے ایک حالیہ خطابِ جمعہ میں، جس کی تلخیص اسی شمارے میں شامل ہے، مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے زیرِ نظر مضمون کا حوالہ دیا تھا۔ اولاً "بینات" میں شائع ہونے والا یہ گرانقدر مضمون اس سے قبل مئی ۷۶ء میں میثاق کے صفحات کی زینت بن چکا ہے۔ اس وقت محترم ڈاکٹر صاحب نے مولانا بنوریؒ کے اس مختصر سے مضمون پر جو مفصل تعارفی نوٹ لکھا تھا اس کے مطالعے سے چونکہ وہ پس منظر واضح ہو جاتا ہے جو اس تحریر کا محرک بنا لہٰذا اسے بھی شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

ذیل کی تحریر ماہنامہ 'بیّنات'، کراچی کی مارچ ۷۶ء کی اشاعت سے ماخوذ ہے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ 'بیّنات' کے ماہِ رجب کے شمارے میں 'ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی راولپنڈی' کے جانب سے شائع شدہ 'مجموعۂ قوانینِ اسلامی' مؤلفہ جناب تنزیل الرحمٰن پر ایک مفصّل تبصرہ جناب مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کے قلم سے شائع ہوا ——— اوّل تو یہ طرزِ عمل بجائے خود مثبت تعمیری طرزِ فکر کا آئینہ دار تھا کہ بجائے اس کے کہ محض اس بنا پر کہ زیرِ تبصرہ کتاب ایک معروف تجدد پسند ادارے کی جانب سے شائع ہوئی تھی اسے کلیۃً رد کر دیا جاتا، فاضل تبصرہ نگار نے انتہائی محنت سے پوری کتاب کا تنقیدی مطالعہ کیا اور شدید عرق ریزی سے اس کی ایک ایک دفعہ میں صحیح و غلط اور حق و باطل کی علیٰحدہ علیٰحدہ نشان دہی کر دی ——— اس پر مستزاد یہ کہ تبصرے کے آخر میں "مؤلف اور تالیف کے بارے میں بحیثیتِ مجموعی ہماری رائے" کے ضمن میں وسعتِ قلب کے ساتھ اور اعترافِ حق کے جذبے کے تحت یہ اعتراف بھی کر لیا کہ مؤلف سے غلطیاں ضرور سرزد ہوئی ہیں لیکن ان کے نقطۂ نظر میں کجی اور طرزِ فکر میں فتنہ انگیزی موجود نہیں ہے اور بحیثیتِ مجموعی یہ کتاب "لبا مغتنم" اور "قابلِ تحمّل" ہے ——— اس پر دینی حلقوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں اور بعض انتہائی ذمہ دار اور ممتاز علمائے نے "بیّنات" کے سرپرست اور نگران حضرت مولانا

محمد یوسف صاحب بنوری کے نام شکایتی خطوط لکھے جن کا مرکزی مضمون یہ تھا کہ ——— "تجدّد پسندی کا جواب ہی بینات تھا۔ اگر یہی گھٹنے ٹیک دے تو انجام کیا ہوگا" ——— اور یہ کہ ——— "تھوڑی سی نرمی علماء کے موقف کو کمزور کر دیتی ہے۔ اور اس طرح دشمنانِ دین کے موقف کو غیر شعوری طور پر قوّت مل جاتی ہے ———" اس پر ادارہ 'بینات' نے ایک جانب تو تبصرے کے اس حصّے کی قدرے وضاحت کی جو شاید حضراتِ معترضین کے نزدیک تو "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" ہی قرار پائے۔ اور دوسری طرف علمائے کرام کی خدمت میں بھی "نوارا تلخ ترمی زن . . . ." کے عنوان سے بعض گزارشات بڑے ادب و احترام کے ساتھ پیش کیں۔

ان گزارشات میں بعض باتیں چونکہ انتہائی اہم آگئی ہیں اور اس لائق ہیں کہ پاکستان کے تمام علماء ان پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور ان کی روشنی میں اپنے موجودہ طرزِ فکر و عمل پر نظرِ ثانی فرمائیں ——— لہٰذا ہم اس تحریر کو ادارۂ 'بینات' کے شکریے کے ساتھ قارئینِ 'میثاق' کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں ——— مدیر)

"نوارا تلخ ترمے زن چو ذوقِ نغمہ کمیابی
حُدی را تیز ترمے خواں چو محمل راگراں بینی

اس موقعہ پر ہم علمائے اُمت کی خدمت میں بھی چند گزارشات پیش کر دینا ضروری فرض سمجھتے ہیں:۔

الف: انگریز کے دورِ حکومت میں ہمارے اکابر نے جو شاندار دینی و ملّی کارنامے انجام دیئے ان کا خلاصہ نکالیے تو انہیں بڑے بڑے دو شعبوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ اوّل: ہر قسم کے جدید و قدیم فتنہ کا استیصال بذریعہ تقریر و تحریر، وعظ و تبلیغ، درس و خطابت اور ارشاد و تلقین۔ دوم: اُمّتِ مسلمہ کے لیے روحانی غذا مہیا کرنا، بذریعہ قیامِ مدارس و معاہد، دارالافتاء و دارالعلوم، مساجد و خانقاہ، تصنیف و تالیف، اور جلسہ و کانفرنس۔ آج کل کی اصطلاح میں قسمِ اوّل کو "منفی" اور قسمِ ثانی کو "مثبت" کہا جاتا ہے، اور کوئی شک نہیں کہ دین کی پاسبانی کے لیے علمائے امّت نے ان دونوں میدانوں میں بیش قیمت قربانیاں دیں اور اپنے خونِ جگر سے "گلشنِ دینِ خداوندی" کو سیراب کیا، الحمدللہ کہ آج تک اپنی بساط کے موافق یہ سلسلہ جاری ہے، خدمتِ دین کی ان ہی مثبت و منفی تاروں کے ذریعہ

جب تک اُمّتِ مسلمہ کا رابطہ (کنکشن) ذاتِ نبوی (بآبائنا ھو وامّھاتنا، صلی اللہ علیہ وسلم) سے قائم رہے گا، اُمّت انوارِ نبوت سے مستفید ہوتی رہے گی، اور اس سلسلہ میں سعی کرنے والے حضرات اپنی اپنی محنت اور قربانی کے بقدر، اجرِ عظیم کے مستحق ہوں گے۔

ب: انگریز کے رخصت ہو جانے اور اسلامی نظریۂ حیات کی بنیاد پر مملکتِ خداداد پاکستان کے وجود میں آجانے کے بعد علمائے اُمت پر مذکورہ بالا دوگونہ ذمّہ داریوں کے ساتھ ایک تیسری ذمّہ داری عائد ہوگئی، یعنی حکومتِ پاکستان کے سامنے نہایت پیار و محبت، انتہائی ہمدردی اور خلوص اور بے حد حکمت و فراست کے ساتھ اسلامی اور دینی نقوشِ حیات پیش کرنا، جن پر ایک اسلامی ریاست کی بنیادیں اُٹھائی جائیں نیز دورِ حاضر کی تمام مشکلات کا حکیمانہ جائزہ لے کر اسلامی قانون کی تدوین، جسے عدلیہ میں نافذ کیا جائے، یہ علمائے اُمت کا اپنا منصبی فریضہ تھا، خواہ حکومت ان سے مطالبہ کرتی یا نہ کرتی، انہیں صحیح اور واقعی مقام دیتی یا نہ دیتی، ان کی گرانقدر خدمات کا اعتراف کسی حلقہ کی جانب سے کیا جاتا یا نہ کیا جاتا، دنیا کے ہر اجر و مزد، منصب و وجاہت، اور مال و جاہ کی منفعت سے بالاتر رہ کر صرف رضائے الٰہی ادائے حقِ رسالت، نصحِ اسلام، اور فلاحِ آخرت کی خاطر انہیں یہ کام کرنا چاہیے تھا، جانشینِ نبوت کی حیثیت سے ان کا مشن وہی ہونا چاہیے تھا جو تمام انبیاء علیہم السلام کا رہا یعنی:

وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ، اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۔

"میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا، میرا اجر و ثواب تو بس اللہ نے اپنے ذمّہ لے رکھا ہے"

لیکن ہمیں اپنی اس کمی کا اعتراف کرنا چاہیے کہ جہاں ہم دین کی اور بیش بہا خدمتوں کی بنا پر رحمتِ خداوندی سے اجر و ثواب کے مستحق ہیں وہاں اس عظیم الشان فریضہ سے صرفِ نظر کرنے کی وجہ سے معرضِ مسئولیت میں آجانے کا شدید اندیشہ بھی لاحق ہے، اگر میدانِ قیامت میں یہ مناقشہ فرمایا لیا گیا کہ تم نے اس نازک مرحلہ میں اپنی اجتماعی قوتوں کو کیوں نہ کھپایا ہے، اس زبردست خلا کو پُر کر کے اُمّت کی قیادت کیوں نہ کی ہے، وقت کے ایک عظیم دینی فریضہ سے کیوں بے اعتنائی برتی ہے، تمہارے ذاتی مشاغل نجی مقاصد اور گروہی فوائد اس کے درمیان کیوں حائل رہے ہیں، اور اسلامی حکومت کے سامنے ایک صحیح "مجموعۂ قوانینِ اسلام" پیش کر کے تم نے اتمامِ حجت کیوں نہ کیا ہے، تو غالب گمان یہ ہے کہ جہاں

ارکانِ مملکت، اربابِ سیاست اور ادارہ تحقیقات اسلامی کے لوگوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوگا، وہاں علمائے امت بھی اس کی مسئولیت سے بری نہ ہوسکیں گے۔ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰہُ

ج: ایک جمہوری ملک میں تہذیب و متانت اور خیر خواہی و دل سوزی کے ساتھ حکومت کو نیک مشورہ دینا ——— کوئی شجرۂ ممنوعہ نہیں، بلکہ ایک اچھی روایت ہے، اور علمائے اُمت پر تو ایک شرعی فریضہ کی حیثیت سے یہ لازم ہے کہ وہ اصلاحی مشورے دیں، لیکن علمائے اُمّت کی ذمہ داری محض اس بات پر ختم نہیں ہوجاتی کہ وہ حکومت پر تنقید کرلیا کریں اور "یہ نہ کرو، وہ نہ کرو" کا صرف وعظ کہہ لیا کریں، بلکہ انہیں آگے بڑھ کر حکومت کو یہ بھی بتلانا ہوگا کہ "یہ کرو" ——— ان کے پاس ایسا مرتّب شدہ مجموعۂ قوانین ہو جسے دفعات کی شکل میں جدید طرز کی قانونی زبان میں مدوّن کیا گیا ہو اور شرعی حدود کے تقاضوں کی رعایت پوری طرح اس میں ملحوظ رکھی گئی ہو، نئے دور کی مشکلات کا شرعی حل پیش کیا گیا ہو، قرآن و حدیث، اجماعِ اُمّت اور اصول اجتہاد کی ٹھیک ٹھیک پابندی رکھتے ہوئے .... اُمت کے لیے ممکن حد تک آسانی کی گنجائش باقی رکھی گئی ہو، پھر اس "مجموعۂ قوانین اسلام" کو پوری بصیرت سے انتظامیہ، مقنّنہ اور عدلیہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ "اسے اسلامی ریاست میں نافذ کرو" اور اس وقت اربابِ اختیار بالفرض اسے نافذ نہ بھی کریں تو کم از کم علمائے اُمت عند اللہ اخروی مسئولیت سے تو بری الذمہ ہو ہی جائیں گے اور داورِ محشر کی عدالت میں اوّلین و آخرین کے سامنے وہ اتنا تو کہہ سکیں گے کہ:

"یا اللہ اپنی فہم و بصیرت کی ممکنہ حد تک تیرے پاکیزہ قانون کو ہم نے آسان سے آسان تر صورت میں قوم کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ اے اللہ! ہم اپنے ضعف اور اپنی ناداری کے ساتھ بس اتنا کام ہی کرسکتے تھے، لیکن قوت کے ساتھ اسے نافذ کرانا ہمارے بس سے باہر تھا۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

"اب آپ انہیں عذاب دینا چاہیں تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر آپ ان کی بخشش فرمادیں تو بلاشبہ آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں"۔

اور کیا بعید ہے کہ حق تعالیٰ کسی وقت اربابِ اختیار کو اس کے نافذ کرنے کی توفیق ہی دے دیں (جہاں تک ہمیں معلوم ہے حکومت میں اب بھی اللہ کے ایسے مخلص بندے موجود ہیں، جو دل و جاں سے اس بات کے متمنی ہیں کہ انگریزی قانون (جو جزوی ترمیمات کے ساتھ ہمارے یہاں رائج ہے) کی جگہ اسلامی قانون نافذ کیا جائے، چنانچہ صدر مملکت نے ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اسی نیک مقصد کے لیے قائم کیا تھا کہ تدریجاً مروّجہ قانون کی دفعات کو اسلامی قانون میں ڈھال دیا جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس ادارہ کے بعض ارکان کی اُلٹی ذہنیت نے اس کے مقاصد ہی کو اُلٹ کر رکھ دیا ہے اور صرف "مغربیت پر اسلام کی چھاپ" لگا دینے کے لیے ہی تمام الحادی اسلحہ استعمال کیا جانے لگا۔)

۵: اس سلسلہ میں علمائے اُمت کے سامنے جو مشکلات ہیں اور جن دشوار گزار مراحل سے وہ گزر رہے ہیں، نکتہ چین لوگوں کو ان کا احساس ہو یا نہ ہو، ہمیں ان کا پوری طرح احساس ہے، لیکن اس کا کیا کیجیے کہ زمانے کے دینی تقاضے ہماری مشکلات پر نظر رکھنے کے عادی نہیں ہیں، مقتضیاتِ وقت کی عدالت میں ہمارے اس عذر کی کوئی شنوائی نہیں کہ ہمارے پاس نہ تو اس کام کے لیے باصلاحیت افراد کو فارغ کرنے کی ادنیٰ گنجائش ہے، اور نہ ہم اس کے لیے زرِ کثیر فراہم کر سکتے ہیں۔ "قاضیٔ وقت" کا فیصلہ یہی ہے کہ تمہارے پاس فرصت ہو یا نہ ہو، قوت ہو یا نہ ہو، سرمایہ ہو یا نہ ہو، بیٹھنے کی جگہ ہو یا نہ ہو، تمہیں یہ کام بہر حال کرنا ہوگا، اور بغیر کسی دنیوی منفعت کے کرنا ہوگا، کیونکہ کرنے کا کام صرف گفت و شنید سے نہیں ہوتا، وہ تو بہر صورت کرنے ہی سے ہوتا ہے، گزشتہ چند سالوں سے ہندوستانی علماء نے ایک "ادارہ تحقیقاتِ شرعیہ" قائم کر لیا ہے۔ جس سے قارئین 'بینات' متعارف ہیں۔ لیکن بڑی ندامت کی بات ہے کہ پاکستانی علماء اب تک اپنا "ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی" قائم نہیں کر سکے جو ہر قسم کی سیاست بازی سے الگ رہ کر پوری ملت کی اس عظیم خدمت کو بجا لاتا۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس پر پوری سنجیدگی سے غور و فکر کرنا چاہیے، نری جذباتیت سے مسائل حل نہیں ہو جاتے۔

لعمری لقد نبهت من كان نائمًا
واسمعت من كانت له اذنان!
(الامام الكشميري)"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا

اے ہمارے رَبّ، اگر ہم بھول جائیں یا چُوک جائیں تو (ان گناہوں پر) ہماری گرفت نہ فرما۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ

اور اے ہمارے رَبّ، ہم پر ویسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے اُن لوگوں پر ڈالا

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا

جو ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ

اور اے ہمارے رَبّ، ایسا بوجھ ہم سے نہ اٹھوا جس کے اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے۔

وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرما، اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔

اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

ہمیں توبہ کی توفیق عطا کر دے

ہماری خطاؤں کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے

الداعی الی الخیر: میاں عبدالواحد
بھگوان سٹریٹ
پرانی انارکلی لاہور

نفتارِ کار

چوہدری غلام محمد

ماہِ صیام کے دوران
رفقاء تنظیم کی دعوتی و تحریکی سرگرمیاں

تنظیم اسلامی پاکستان کا چودھواں سالانہ اجتماع ۳۱ر مارچ ۸۹ء کو اختتام پذیر ہوا اور ملک کے دور دراز علاقوں نیز بیرونِ ملک سے آنے والے احباب و رفقاء نے یکم اپریل کو اپنے اپنے مقامات کی جانب مراجعت اختیار کی۔ چند روز بعد ہی رمضان المبارک کی بابرکت ساعتیں شروع ہونے والی تھیں۔ نیکی اور سعادت کی راہ پر پیش قدمی کی تڑپ رکھنے والے خوش بخت 'جواں ہمت لوگوں کے لئے ربِّ رحیم و کریم کے خصوصی فضل و عنایت اور بے پایاں رحمتوں کے نزول کا ماہِ مبارک سایہ فگن تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور توفیق الٰہی سے اس ماہ کے دوران حسب معمول رفقائے تنظیم اسلامی نے اپنے اپنے مقامات پر اپنی تعلیم و تربیت و تزکیہ نیز دعوت و تنظیم کے لئے پروگرام ترتیب دیئے۔ مختلف مقامات سے مرکزی دفتر تنظیم اسلامی میں موصولہ رپورٹس کی بنیاد پر بعض مقامات پر منعقد شدہ پروگراموں کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

کوئٹہ

کوئٹہ میں رمضان المبارک سے قبل اپریل کے پہلے ہفتہ کے دوران تنظیم اسلامی کوئٹہ کے پروگرام حسب سابق ہی رہے یعنی جمعۃ المبارک کو ۳ گھنٹہ کا ہفتہ وار اجتماع اور اس کے دوران معمول کے تربیتی و تنظیمی پروگرام۔ علاوہ ازیں ترجمۃ القرآن کی ایک کلاس بھی جاری تھی۔ اس کو سالانہ اجتماع اور رمضان المبارک کی وجہ سے عارضی طور پر معطل کیا گیا تھا اور اب انشاءاللہ العزیز رمضان المبارک کے بعد اس کا اجراء ہو جائے گا۔

جناب میاں محمد نعیم صاحب سابق ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان جن کو اب سالانہ اجتماع کے موقع پر ناظمِ تربیت کی ذمہ داری تفویض کی گئی ہے انہوں نے سالانہ اجتماع کے بعد اپنی پہلی فرصت میں رمضان المبارک کے دوران ہی اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ تربیت گاہوں کا ایک باقاعدہ نظام وضع کر لیا گیا ہے جس کا ایک خاکہ مقامی امراء کو بھیج دیا گیا ہے اور بقیہ تفصیلات طے کی جا رہی ہیں۔ رفقاء سے براہِ راست رابطہ و مشورہ، مسائل اور اشکالات پر گفتگو اور مقامی سطح پر تربیتی محافل کے انعقاد کے لئے

موصوف شعبان المعظم کے آخری روز یعنی ۷ر اپریل کو کوئٹہ پہنچ گئے اور ۳ر مئی ۲۶ر رمضان المبارک تک وہیں قیام کیا۔ موصوف کی کوئٹہ میں موجودگی کی وجہ سے جہاں رفقاء سے رابطہ اور تعلیم و تربیت کے پروگرام ہوئے وہاں تنظیم اسلامی کوئٹہ کے زیر اہتمام رمضان المبارک کے دوران دعوتی پروگرام بھی نہایت بھرپور انداز میں ہوئے۔ اوّلاً تمام رفقائے تنظیم اسلامی کوئٹہ کو جمع کیا گیا۔ دو روز دفتر تنظیم اسلامی کوئٹہ میں رفقاء کی خصوصی نشستیں ہوئیں جن میں باہم تعارف 'افہام و تفہیم اور باہم مشورہ کے بعد پورے مہینہ کے دوران تربیتی و دعوتی پروگرام ترتیب دیئے گئے۔ تربیت کے لئے رفقاء کو دو گروپس میں تقسیم کیا گیا۔ ایک گروپ میں اُن رفقاء کو شامل کیا گیا جو نسبتاً ذمہ دار 'فعّال اور زیادہ وقت فارغ کر سکتے تھے۔ دوسرے گروپ میں وہ رفقاء شامل ہوئے جو زیادہ وقت فارغ نہیں کر سکتے تھے۔ ہر ہفتہ کے دوران تین روز دفتر تنظیم اسلامی کوئٹہ میں جناب ناظم تربیت کی ان گروپس کے ساتھ طویل خصوصی نشستوں کا اہتمام ہوا۔ ان نشستوں میں دین کا جامع تصور اور اس کے مطالبات 'مردِ مومن کی زندگی کا نقشہ اور ترجیحات 'جہاد فی سبیل اللہ 'ہدف اور طریق کار 'تحریکِ احیائے دین اور انقلابی جدّوجہد 'مبتدی نصاب اور مرکز سے جاری شدہ دیگر ہدایات پر تفصیلی گفتگو ہوئی اور افہام و تفہیم کی کوشش کی گئی۔ تنظیم اسلامی کوئٹہ کی کارکردگی کا جائزہ بھی ہوا اور آئندہ کے لئے پروگراموں کے بارے میں مشورے بھی ہوئے 'رمضان المبارک کے دوران کوئٹہ میں بھرپور دعوتی پروگرام ہوئے۔ مرکز سے جاری شدہ ہدایات کے مطابق جناب ناظمِ تربیت نے کوئٹہ میں دعوتی پروگراموں کو اس طریقہ سے ترتیب دیا کہ اس میں رفقاء کم سے کم شریک ہوں جبکہ میزبان رفیق کے احباب 'عزیز و اقارب کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں مدعو کیا جائے تاکہ دعوت دوسرے لوگوں تک زیادہ پہنچے۔ کوئٹہ کے بارہ مختلف مقامات پر یہ پروگرام ہوئے۔ ان پروگراموں میں رفقاء کے علاوہ اوسطاً چالیس احباب شریک ہوتے رہے۔ بعض مقامات پر حاضری ستّر سے بھی متجاوز ہو گئی۔ عصر تا قبل افطار باہم تعارف و درسِ قرآن حکیم کا پروگرام ہوتا تھا جن میں میاں محمد نعیم صاحب نے بالعموم دین کے مطالبات اور موجودہ حالات میں ان کی بجا آوری کے لئے محنت و کوشش اور موانعات کو دور کرنے کی تدابیر جیسے اہم موضوع کو گفتگو کا مرکز بنایا۔ بعد از نمازِ مغرب سوال و جواب کی محفل میں ان موضوعات کے مزید پہلو بھی نکھر کر سامنے آتے رہے۔ ان پروگراموں کے علاوہ جناب میاں محمد نعیم صاحب نے اپنے قیام کوئٹہ کے دوران امیر تنظیم اسلامی کوئٹہ 'دیگر ذمہ دار حضرات اور دیگر رفقاء سے انفرادی ملاقاتیں بھی کیں جن میں بعض خاصی طویل بھی تھیں۔ ان ملاقاتوں میں میاں صاحب نے مختلف تنظیمی معاملات 'کارکردگی 'رفقاء کا باہمی تعلق اور ان کے ذاتی مسائل پر تبادلۂ خیال کیا اور مناسب مشورے دیئے۔ جناب ناظم تربیت کے دورۂ کوئٹہ کے دوران بروز جمعہ ۲۱ر اپریل کو مقامی تنظیم کے امیر کی رہائش گاہ پر رفقائے تنظیم کی خواتین کا خصوصی اجتماع منعقد ہوا۔ بیس خواتین نے شرکت کی اور صبح ساڑھے نو بجے تا ساڑھے گیارہ بجے یہ اجتماع جاری رہا۔ میاں محمد

نعیم صاحب کی اہلیہ نے اس اجتماع سے مفصل خطاب کیا اور اپنے عملی تجربہ کی روشنی میں اس بات کو واضح کیا کہ اگر قوانینِ شریعت کی پابندی کی جائے تو گھر میں کس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کا نزول ہوتا ہے اور ماحول امن و عافیت اور محبت کا گہوارہ بن جاتا ہے جس میں افرادِ خانہ اور بچوں کی تربیت و نشوونما کے بہتر مواقع میسّر ہوتے ہیں۔ اس اجتماع کے دوران دوسرے کمرہ میں خواتین کے ساتھ آئے ہوئے رفقاء جمع تھے اور بچوں کی نگہداشت ان کے ذمّہ تھی۔ میاں محمد نعیم صاحب نے بھی اس اجتماع سے مختصر خطاب کیا جس میں خواتین کو اسلام کے عطا کردہ حقوق کا تذکرہ ہوا۔

ملتان اور جنوبی پنجاب

ملتان اور نواحی علاقہ پر مشتمل علاقہ جنوبی پنجاب کے امیر ڈاکٹر محمد طاہر خان خاکوانی اور ناظم حلقہ ڈاکٹر منظور حسین صاحب کی کوشش و محنت سے گذشتہ ماہ کے دوران اس حلقہ میں قابلِ قدر دعوتی اور تنظیمی کام ہوا۔ سالانہ اجتماع سے واپسی پر ماہِ صیام میں دعوتی پروگراموں کی منصوبہ بندی کے لئے دفترِ حلقہ میں مشاورت کا اہتمام ہوا۔ اتفاقِ رائے سے ملتان کے لئے چار ہفتہ وار پروگراموں کو آخری شکل دی گئی۔ نیز حلقہ میں دیگر مقامی تنظیموں اور اسرہ جات کو بھی اپنے اپنے مقامات پر اسی قسم کے پروگرام تشکیل دینے کی تلقین کی گئی۔ مرکز کی ہدایات اور سابقہ تجربات کی روشنی میں یہ طے پایا تھا کہ معمول کے ہفتہ وار دعوتی و تدریسی پروگراموں کے ساتھ افطاری کے پروگرام ترتیب دیئے جائیں جن میں باہم تعارف، درسِ قرآن اور افہام و تفہیم کا اہتمام ہو۔ ان مجالس میں رفقائے تنظیم کے علاوہ تدریسی پروگراموں کے شرکاء اور اس روز کے میزبان رفیق کے اعزّہ و اقارب اور احباب کو شرکت کی خصوصی دعوت دی جائے۔ الحمدللہ تنظیم اسلامی ملتان کی حد تک یہ پروگرام بحسن و خوبی منعقد ہوئے۔ ہر پروگرام میں شرکاء کی تعداد اوسطاً ستر تھی۔ احباب ذوق و شوق سے شریکِ محفل ہوئے اور دین کی دعوت کو سمجھنے سمجھانے کے عمدہ مواقع میسّر آئے۔ ان مواقع پر حسبِ ضرورت ابتدائی تعارفی دعوتی کتابچے شرکاء کو مہیا کئے گئے۔ ان اجتماعات میں سے تین میں امیر حلقہ ڈاکٹر محمد طاہر خان خاکوانی صاحب نے خطاب فرمایا اور ایک اجتماع میں سابق امیرِ حلقہ جناب مختار حسین فاروقی صاحب نے خطاب کیا۔ فاروقی صاحب اپنی نجی مصروفیات کی وجہ سے اب ملتان میں نہیں ہوتے تاہم رفقاء و احباب سے ملاقات اور کسی ہفتہ وار تدریسی و دعوتی پروگرام میں شرکت کے لئے ہر ماہ تشریف لاتے ہیں۔ ملتان میں منعقدہ متذکرہ بالا چار اجتماعات میں خطابات کے عنوانات یہ تھے۔ (۱) روزہ کی غرض و غایت اور مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق۔ (۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں۔ (۳) دین اور مذہب کا فرق۔ (۴) اقامتِ دین کی فرضیت اور اس کا نبویؐ منہاج..... دفتر حلقہ سے ان پروگراموں کی مناسب تشہیر اور رفقاء و احباب کو اطلاع کا بہت عمدہ اہتمام کیا گیا تھا۔ رمضان المبارک کے دوران حلقہ کے مرکز میں قیام اللیل کا بھی اہتمام رہا جس میں خواتین و حضرات کی ایک معقول تعداد نے شرکت کی۔

حلقہ جنوبی پنجاب کے دوسرے مقامات پر بھی بفضلہٖ تعالیٰ گذشتہ ماہ کے دوران دعوتی و تحریکی پہلو سے نمایاں پیش رفت کی کیفیت محسوس ہوئی۔ تنظیم اسلامی وہاڑی کے زیر اہتمام ماہ صیام میں جامع مسجد اہلحدیث لکڑ منڈی میں چار ہفتہ وار دعوتی اجتماعات ہوئے۔ عصر تا مغرب باہم تعارف' درسِ قرآن اور مختصر وقفہ کے لئے افہام و تفہیم کے پروگرام ہوئے اور افطار و طعام کے بعد رفقاء و احباب کو قیام اللیل کے لئے جلد فارغ کیا جاتا رہا۔ امیر حلقہ ڈاکٹر محمد طاہر خان خاکوانی نے ایک پروگرام میں شرکت کی اور درسِ قرآن دیا۔ بقیہ پروگراموں میں درس قرآن کا فریضہ رفیق محترم جناب پروفیسر محمد اسلم جاوید صاحب نے سرانجام دیا۔ جمعۃ الوداع کے عظیم اجتماع سے "فرائضِ دینی کا جامع تصور" کے موضوع پر خطاب کا بھی اہتمام ہوا۔ شجاع آباد میں رفقائے تنظیم اسلامی نے ماہ صیام کے دوران چھ دعوتی پروگرام ترتیب دیئے۔ ۲ر مئی بروز منگل بلدیہ شجاع آباد کے جناح ہال میں امیر حلقہ ڈاکٹر محمد طاہر خان خاکوانی کے خطابِ عام کا پروگرام تھا۔ موصوف نے "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں" کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ بہاولپور' جھنگ' بورے والہ اور لیہ میں معمول کے تعلیمی و تدریسی پروگرام جاری رہے اور بعض مقامات پر محدود پیمانہ پر دعوتی پروگرام بھی ہوئے۔

لاہور

قرآن اکیڈیمی لاہور میں گذشتہ کئی سالوں سے رمضان المبارک کے دوران جشنِ بہاراں کا سماں ہوتا ہے۔ اس ماہ مبارک میں قیام اللیل کے دوران دورۂ ترجمۃ القرآن کی پر کیف محافل اب یہاں کی زندگی کا ایک مستقل حصہ بن چکی ہیں۔ طالبانِ علم جوق در جوق شریک ہوتے ہیں اور نہ صرف قرآن مجید کے علم و حکمت کے موتیوں سے دامن بھرتے ہیں بلکہ ان مبارک ساعتوں کے انوار و تجلیات سے اپنے باطن کو بھی منور کرتے ہیں۔ دعوتِ رجوع الی القرآن کے داعی جناب امیر تنظیم اسلامی نے چند سال قبل اس مبارک سلسلہ کا آغاز کیا تھا اور اب بفضلہ تعالیٰ دوسرے مقامات پر بھی یہ سلسلہ روز افزوں ہے۔ اس سال ابوظہبی کے رفقاء و احباب کے اصرار پر محترم امیر تنظیم اسلامی نے دورۂ ترجمۃ القرآن وہاں پر مکمل کیا۔ اس کی روداد آپ انہی صفحات میں الگ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس سال قرآن اکیڈیمی لاہور میں دورۂ ترجمۃ القرآن کی تکمیل جناب پروفیسر حافظ احمد یار صاحب (سابق پروفیسر اسلامیات پنجاب یونیورسٹی) استاذ قرآن کالج لاہور نے کی۔ الحمدللہ قرآن حکیم کی تعلیمات ایک نئے انداز میں سامنے آئیں۔ محترم امیر تنظیم کے بیان میں جہاں فکرِ قرآنی کے انقلابی پہلو نمایاں ہوتے ہیں وہاں حافظ صاحب موصوف نے اس کے علمی پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے..... آمین۔

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی میں بھی ماہ صیام کی مبارک راتیں آباد رہیں۔ شہر کے نواحی حصہ سے رفقاء و احباب کی ایک معتدبہ تعداد یہاں جمع رہی اور امیر محترم کے دورۂ ترجمہ قرآن کی وڈیو کیسٹس

سے استفادہ کیا گیا۔ چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب نے مسجد طوبیٰ نوناریاں شالیمار روڈ نواں کوٹ لاہور میں بعد نماز تراویح روزانہ قریباً تین گھنٹہ کی محفل میں دورۂ ترجمۂ قرآن مجید مکمل کیا۔ یہاں کے منتظمین اور احباب نے بہت ذوق وشوق اور اہتمام کا مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنت اور خلوص کو قبول فرمائے اور تعلیماتِ قرآنی کے نور سے ان کے گھروں اور ماحول کو منور کرے۔ حافظ محمد رفیق صاحب فیلو قرآن اکیڈیمی واستاذ قرآن کالج لاہور نے امسال کراچی میں دورہ ترجمۃ القرآن مکمل کیا۔ بعض دیگر مقامات پر بھی رفقاء واحباب نے امیر محترم کے دورۂ ترجمۃ القرآن کے وڈیو کیسٹس سے استفادہ کیا اور رمضان المبارک کی راتیں قرآن مجید کا پیغام سمجھنے میں گذاریں۔ باجوڑ میں تنظیم کے رفقاء نے اپنے نقیب جناب محمد فہیم صاحب کی قیادت میں دعوتی پروگرام ترتیب دیئے اور عصر تا مغرب دورۂ ترجمۃ القرآن کے آڈیو کیسٹس سنانے کا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ اس بابرکت سلسلہ کو مزید ترقی دے۔ محترم امیر تنظیم اسلامی ابوظہبی میں دورۂ ترجمہ قرآن کی تکمیل کے بعد ۲۴ رمضان المبارک کو واپس تشریف لے آئے تھے۔ موصوف نے رمضان المبارک کی ۲۸ ویں اور ۲۹ ویں شب کو قرآن اکیڈیمی لاہور میں قرآن مجید کے بعض منتخب حصوں کا درس دیا۔ جس میں پیش نظر یہ تھا کہ قرآن مجید کا پیغام اختصار اور جامعیت کے ساتھ سامنے آجائے۔ رفقاء واحباب نے بھرپور شرکت کی۔

رمضان المبارک کے دوران تنظیم اسلامی لاہور کے زیر اہتمام مختلف مقامات پر ۷۵ سے زائد دعوتی پروگرام ہوئے۔ رفقاء نے انفرادی سطح پر اپنے احباب اور عزیز واقارب میں بھی دعوتی کام کیا۔ ان کی تفصیلات کا احصاء اس مختصر رپورٹ میں ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ خدمت دین کے سلسلہ میں کی گئی کوششوں کو شرفِ قبول عطا فرمائے اور مزید محنت کی توفیق مرحمت فرمائے..... آمین۔

بقیہ: تذکرہ وتبصرہ

نمود کی خواہش کے بغیر خاموشی کے ساتھ اپنا کام کئے چلے جانے کے عادی ہو چکے ہیں اور الحمدللہ کہ ان کے ہاں امیر کی اطاعت اور مسلم کے اکرام کا تصور بھی نہ صرف پختہ ہے بلکہ عمل سے بھی جھلکتا ہے۔ یہ لوگ دین وشریعت کے حق میں مہماتی سیاست کا راستہ اختیار کریں تو نظم وضبط کا مظاہرہ بھی ہوگا' عام لوگوں کی عزت' آبرو اور مال وجان پر کوئی آنچ بھی نہ آئے گی اور خواہش اقتدار سے لاتعلقی پر ان کی پچاس سالہ تاریخ کی گواہی پہلے سے موجود ہے۔ یہی عوامل آج پاکستان میں نہی عن المنکر بالید کے لئے درکار ہیں اور شریعت کی بالادستی عملاً قائم ہونے کی کوئی امید ہے تو وہ انہی عوامل سے وابستہ ہے۔

HOUSE OF QUALITY BEARINGS

KHALID TRADERS

IMPORTER, INDENTOR, STOCKIST, SUPPLIER,
OF ALL KINDS OF BALL, ROLLER & TAPER BEARINGS

WE HAVE :
- BEARINGS FOR ALL INDUSTRIES & MARINE ENGINES.
- AUTOMOTIVE BEARINGS FOR CARS & TRUCKS.
- BEARINGS UNIT FOR ALL INDUSTRIAL USES.
- MINIATURE & MICRO BEARINGS FOR ELECTRICAL INSTRUMENTS.

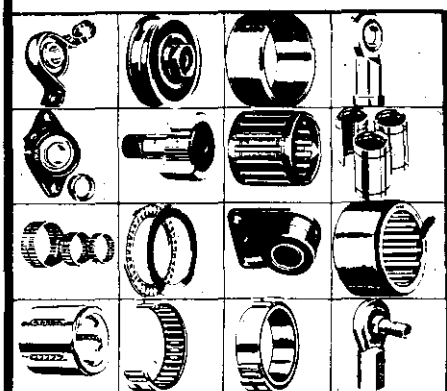

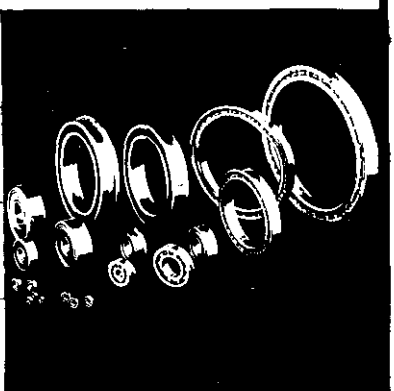

PRODUCTS

HIGH PRECISION

MINIATURE BEARINGS
EXTRA THIN TYPE BEARINGS
FLANGED BEARINGS
BORE DIA .1 mm TO 75 mm

DISTRIBUTOR

RCD KBC

STOCKIST

TR Koyo NACHI NSK SKF NTN

CONTACT : TEL. 732952 - 735883 - 730595
G.P.O BOX NO.1178.OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI - PAKISTAN
TELEX: 24824 TARIQPK. CABLE: DIMAND BALL.

رپورتاژ

صومِ نہار اور قیامِ لیل

ماہِ صیام کے دوران متحدہ عرب امارات میں امیر تنظیم اسلامی کا دورۂ ترجمۂ قرآن اور دیگر سرگرمیاں

داعیٔ تحریک رجوع الی القرآن اور امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے رمضان المبارک کی بابرکت راتوں میں قرآن حکیم کے فیوض و انوار سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کے لیے چند سال سے نماز تراویح کے ساتھ ساتھ دورۂ ترجمۂ قرآن کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے وہ یقیناً اہل پاکستان کی بہت بڑی خوش بختی ہے۔ یہ پروگرام خواہ لاہور میں ہو یا کراچی میں، طالبانِ علمِ ہدایت ملک کے ہر حصّے سے اس میں شرکت کے لیے پہنچ جاتے ہیں اور قرآن حکیم کے علوم و معارف سے مقدور بھر فیضیاب ہوتے ہیں۔ بیرونِ پاکستان مقیم رفقاء و احباب کے لیے پورے ایک ماہ کے اس پروگرام میں شرکت ممکن نہیں ہوتی اور وہ دلوں میں اس کی حسرت لیے اپنے ان بھائیوں کی قسمت پر رشک کرتے رہتے ہیں جن کی قسمت میں ایسی سعادتیں لکھی ہوتی ہیں۔ بیرونِ ملک مقیم احباب کی اس محرومی کا کسی حد تک ازالہ آڈیو ویڈیو کیسٹس کے ذریعے ہو پاتا ہے۔ لیکن اس بار اللہ تعالیٰ نے ابوظہبی میں مقیم ہم پاکستانی اور ہندوستانی مسلمانوں پر اپنا اس قدر فضل و کرم فرمایا کہ اس پر اس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ ع خدایا ایں کرم بارے دگر کن!

ہمارے ہاں قرآنی فیوض و برکات کی یہ بہار اس طور سے جلوہ آرا ہوئی کہ یہاں کے احباب کے اصرار پر امیر محترم نے اس رمضان المبارک میں دورۂ ترجمۂ قرآن کا پروگرام ابوظہبی میں رکھ لیا۔

تنظیم اسلامی اور جمعیت خدام القرآن ابوظہبی نے محترم ڈاکٹر صاحب کے اس دورۂ ابوظہبی کے سلسلے میں ایک مشترکہ مجلسِ مشاورت قائم کی۔ اس پروگرام کے ضمن میں تین مسئلے درپیش تھے:

۱۔ محترم ڈاکٹر صاحب کے لیے ایک ماہ کے 'VISIT VISA' کا حصول۔

۲۔ امارات کی وزارتِ اوقاف سے اس پروگرام کے لیے اجازت نامہ کا حصول۔

۳ - سرمایہ کی فراہمی۔

ان میں سے تیسرا مسئلہ یعنی سرمایہ کی فراہمی تو درحقیقت کوئی مسئلہ نہ تھا اور یہ رفقاءِ تنظیم اسلامی اور اراکینِ جمعیت خدام القرآن کی مالی معاونت سے بغیر کسی دشواری کے حل ہو گیا۔

وزارتِ اوقاف سے اجازت نامہ کے حصول میں مرکز پاکستان ——— (PAKISTAN CENTRE) کی مسجد کے امام قاری حنیف ڈار صاحب جو کہ ہمارے رفیق بھی ہیں اور مرکز کی سالِ رواں کی مجلسِ انتظامیہ نے بھرپور تعاون کیا اور یہ مسئلہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حل ہو گیا۔

سب سے کٹھن مسئلہ پورے ایک ماہ کے ویزا کے حصول کا تھا جو بظاہر ناممکن نظر آرہا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے جناب نسیم الدین صاحب اور ان کے رفقاء کی کوششوں اور دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشا اور رفیقِ محترم سرفراز چیمہ صاحب کے ذریعے یہ مسئلہ بالآخر ماہ شعبان کے آخری ہفتے میں حل ہو گیا۔ اس مرحلہ کے طے ہونے پر رفقاء و احباب کی خوشی دیدنی تھی۔ ویزا کے حصول کی اطلاع مرکز کو بھیجی گئی تو محترم ڈاکٹر صاحب کا ابوظہبی کے لیے حتمی پروگرام تشکیل پایا۔ چونکہ لاہور سے ابوظہبی براہ راست کوئی پرواز نہیں آتی، اس لیے یہ طے پایا کہ امیر محترم پہلے دوبئی تشریف لائیں اور وہاں سے بذریعہ کار ابوظہبی کے لیے روانہ ہوں جو دوبئی سے قریباً ۱۶۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

محترم ڈاکٹر صاحب کی آمد سے تین روز قبل ہمیں ان کی آمد کے پروگرام کا علم ہوا۔ ڈاکٹر صاحب ۲۹ شعبان کو تشریف لا رہے تھے۔ ابوظہبی کے ہر رفیق کی خواہش تھی کہ اپنے امیر محترم کو مہمان بنانے کی سعادت اس کے حصے میں آئے اور اس کے لیے بہت سے رفقاء کی طرف سے جناب نسیم الدین صاحب پر بڑا سخت دباؤ تھا۔ خود نسیم الدین صاحب کی بھی یہ خواہش تھی کہ امیر محترم ان کے فلیٹ کو رونق بخشیں ——— لیکن جمعیت خدام القرآن کی مرکزیت، مرکز پاکستان کی مسجد سے قربت اور وقتاً فوقتاً چھوٹے پیمانے پر اجتماعات کے لیے تمام سہولتوں کی موجودگی کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ امیر محترم کا قیام جمعیت خدام القرآن کے دفتر میں زیادہ مناسب رہے گا۔ اس فیصلہ میں یہ بات بھی پیشِ نظر تھی کہ دفتر میں قیام پذیر رفقاء امیر محترم کی خدمت کے لیے ہمہ وقت حاضر

رہنا چاہتے تھے۔ پھر جمعیت کا یہ دفتر بھی ایک کشادہ عمارت میں پرسکون جگہ پر واقع ہے اور اس میں رہائشی کمروں کے علاوہ ایک ہال کمرہ بھی ہے جو درس و تدریس اور اجتماعات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

امیر محترم کی آمد کے موقع پر تمام رفقاء کی یہ خواہش تھی کہ دوبئی کے ہوائی اڈہ پر جاکر ان کا استقبال کریں، لیکن فیصلہ یہ ہوا کہ صرف نسیم الدین صاحب امیر محترم کو لینے کے لیے دوبئی جائیں گے۔ عین وقت پر نسیم الدین صاحب کی طبیعت خراب ہو جانے کے باعث یہ سعادت ابوظہبی تنظیم کے نائب امیر جناب قمر حسن صاحب کے حصے میں آئی۔ دوبئی میں ہمارے رفیق جناب ظفر اقبال صاحب کو بھی امیر محترم کی آمد کی اطلاع پہلے سے کر دی گئی تھی۔ امیر محترم کی فلائٹ مقامی وقت کے مطابق ساڑھے گیارہ بجے دوبئی پہنچی۔ ایئرپورٹ کے پسنجر لاؤنج میں پی آئی اے کے اسٹیشن منیجر نے امیر محترم کو خوش آمدید کہا۔ کسٹم اور امیگریشن کے معمولات سے فارغ ہو کر امیر محترم ایئرپورٹ سے باہر تشریف لائے تو جناب قمر حسن صاحب اور جناب ظفر اقبال صاحب نے ان کا انتہائی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ ظفر اقبال صاحب نے سب سے پہلے اپنے ہاں چلنے کی درخواست کی جہاں انہوں نے پرتکلف ضیافت کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ یہاں کچھ دیر رکنے کے بعد امیر محترم قمر حسن صاحب کے ہمراہ ابوظہبی کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہاں نسیم الدین صاحب کو فون پر امیر محترم کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی، لہٰذا امیر محترم جب عصر کے وقت جمعیت کے دفتر پہنچے تو رفقاء کی ایک کثیر تعداد استقبال کے لیے موجود تھی۔

امیر محترم چونکہ طویل سفر کی صعوبت برداشت کر کے پہنچے تھے، لہٰذا ہمارا خیال تھا کہ اب آرام فرمائیں گے۔ لیکن انہوں نے اسی وقت مجلس مشاورت طلب کر کے ہمیں ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ مشاورت میں دورۂ ترجمۂ قرآن کے پروگرام کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا اور یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ دورۂ ترجمہ کے پروگرام کا آغاز آج (۲۹ شعبان) ہی سے کر دیا جائے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کل پہلا روزہ ہو جائے ——— چنانچہ بعد نماز عشاء امیر محترم نے سورۃ الفاتحہ کی تشریح فرمائی اور استقبالِ رمضان کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ آج کے پروگرام کی مناسب تشہیر نہ ہو سکنے کے باوجود حاضری خاصی رہی۔ تقریباً ساڑھے دس بجے پروگرام کا اختتام ہوا۔ حسب توقع رات گئے چاند کا اعلان ہو گیا، چنانچہ اگلے

روز جمعرات کو پہلا روزہ ہوا۔ جمعرات کے روز رفقاء نے ابوظہبی کے مروّجہ قانون کے اندر رہتے ہوئے دورۂ ترجمۂ قرآن کے پروگرام کی بھرپور تشہیر کی اور انفرادی ملاقاتوں میں لوگوں کو دورۂ ترجمہ کا تعارف کرایا اور اس میں شرکت کی دعوت دی۔

جمعہ کی شب یعنی رمضان المبارک کی دوسری رات نمازِ عشاء کے بعد امیرِ محترم نے سورۃ البقرۃ کا آغاز کیا۔ اس وقت مرکز پاکستان کی مسجد کا ہال اور برآمدہ شرکاء سے پوری طرح بھرا ہوا تھا، بلکہ کچھ لوگ مسجد کے باہر بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ لگ بھگ چار سو کی حاضری تھی جسے یہاں کے حالات میں غیر معمولی کہا جا سکتا ہے۔ ساڑھے دس بجے پہلی چار رکعت میں پڑھے جانے والے حصّے کا ترجمہ و تشریح مکمل ہوا تو حافظ زوّار احمد صاحب، جن کا تعلق حیدر آباد دکن سے ہے، کی زیرِ امامت نمازِ تراویح کا آغاز ہوا۔ حاضرین کی ایک کثیر تعداد اس لذت سے پہلی بار آشنا ہوئی کہ عربی نہ جاننے کے باوجود، قرأت کے دوران قرآن کا مفہوم ذہن و قلب پر اتر رہا تھا اور یہ امیرِ محترم کے دورۂ ترجمۂ قرآن کا اعجاز تھا۔ تقریباً سوا بارہ بجے آٹھ رکعات ختم ہوئیں اور پندرہ منٹ کا وقفہ ہوا جس کے دوران مختلف قسم کے مشروبات سے شرکاء کی تواضع کی گئی۔ تین بجے کے قریب بیس رکعات مکمل ہوئیں جن میں آج قریباً ڈیڑھ پارہ پڑھا گیا ـــــ نماز وتر سے فراغت کے بعد جب ہم مسجد سے باہر نکلے تو ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اگرچہ جسمانی طور پر کچھ تھکاوٹ ہو گئی تھی لیکن ہر شخص اپنے آپ کو تر و تازہ محسوس کر رہا تھا اور اس کا دل قرآن حکیم اور اس کے نازل کرنے والے ربّ العزّت کی عظمت سے معمور تھا۔

اگلے روز جمعہ تھا، لیکن بدقسمتی سے یہاں کے قوانین کے تحت امیرِ محترم کا خطابِ جمعہ ممکن نہ تھا، چنانچہ امیرِ محترم نے خلیفہ مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کی۔ ہفتہ کی شب بھی دورۂ ترجمۂ قرآن کے پروگرام میں حاضری بھرپور رہی، لیکن اتوار کی شب سے شرکاء کی تعداد کم ہونا شروع ہو گئی۔ اب حاضری کی صورتحال یہ تھی کہ پہلی آٹھ رکعات میں قریباً ایک سو پچاس کی حاضری ہوتی جو وقفہ کے بعد قریباً ایک سو رہ جاتی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بہت سے لوگوں کے لیے رات بھر جاگنے کے بعد صبح ڈیوٹی پر بروقت پہنچنا ممکن نہ ہوتا۔ البتہ جمعرات اور جمعہ کو حاضری میں اضافہ ہو جاتا۔

ابوظہبی میں امیر محترم کے قیام کے دوران بہت سے رفقاء انہیں اپنے ہاں افطار کے لیے مدعو کرنے کے خواہاں تھے، لیکن امیر محترم کی آمد پر ہی اصولی طور پر یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ وہ خصوصی طور پر افطار کے لیے کسی کے ہاں نہیں جائیں گے۔ اس فیصلے سے بعض رفقاء کو مایوسی بھی ہوئی، البتہ بعض رفقاء نے اپنی اس خواہش کو اس طور سے پورا کیا کہ وہ جمعیت کے دفتر میں ہی افطار اور کھانے کا انتظام کر لیتے جس میں امیر محترم اور دفتر میں مقیم حضرات کے علاوہ مزید چالیس پچاس احباب کو بھی مدعو کر لیا جاتا۔ اس طرح یہ افطاریاں بہت سارے حضرات کے لیے امیر محترم کے فکر سے متعارف اور مستفیض ہونے کا ذریعہ بنیں۔

امیر محترم کو بہت سے فورمز (FORUMS) اور سوسائٹیوں کی طرف سے اپنے ممبران سے خطاب کی دعوت بھی دی جاتی رہی، لیکن ان کی علالت اور عدیم الفرصتی کے باعث سوائے دو یعنی 'OVERSEAS PAKISTANI INVESTORS' FORUM' اور 'THNKERS' FORUM' کے، سب سے معذرت کرنا پڑی۔

'OVERSEAS PAKISTANI INVESTORS' FORUM' نے اپنا اجلاس ہوٹل شیزان میں رکھا تھا۔ فورم کی طرف سے امیر محترم کو ایک سوالنامہ دیا گیا جس میں سود کی لعنت کے خاتمے اور اسلامی طرز معیشت کے قیام کے مختلف پہلوؤں پر سوال کئے گئے تھے۔ امیر محترم نے قریباً ڈیڑھ گھنٹے میں ایک خطاب کی صورت میں ان سوالوں کے جوابات بڑے احسن انداز سے دیے، جسے سامعین نے بہت سراہا۔ شرکاء کے لیے افطار اور کھانے کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ اس پروگرام اور امیر محترم کے خطاب کی خبر اگلے روز یہاں کے انگریزی روزنامے 'خلیج ٹائمز' میں شائع ہوئی۔

'THNKERS' FORUM' نے امیر محترم کو جہاد کے موضوع پر خطاب کے لیے مدعو کیا۔ طبیعت کی ناسازی کے باوجود امیر محترم نے مسلسل ڈیڑھ گھنٹہ خطاب کیا اور بیس منٹ تک حاضرین کے سوالات کے تشفی بخش جوابات دیئے۔ اس پروگرام کا اہتمام یہاں کے ایک ہوٹل 'CORNISH RESIDENCE' میں کیا گیا تھا۔ خطاب کے بعد افطاری اور کھانے کا انتظام تھا۔ اس اجتماع کی خبر بھی خلیج ٹائمز نے شائع کی۔

مقامی امیر تنظیم جناب نسیم الدین صاحب نے اپنے گھر پر خواتین کے لیے ہفتہ وار درس قرآن حکیم کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ یہ درس ہر اتوار کو صبح ساڑھے دس بجے ہوتا

ہے اور اس میں پچیس تیس خواتین پابندی سے شریک ہوتی ہیں ۔ ان خواتین کا اصرار تھا کہ امیرِ محترم خواتین سے خصوصی خطاب فرمائیں اور انہیں بتائیں کہ موجودہ معاشرہ میں خواتین کا کیا کردار ہونا چاہیئے اور وہ اقامتِ دین کی عملی جدّوجہد میں کس طریقے سے حصّہ لے سکتی ہیں ۔ امیرِ محترم کے اس خطاب میں اسّی کے قریب خواتین نے شرکت کی ، اگرچہ اس پروگرام کی کوئی خاص تشہیر نہیں کی گئی تھی ۔ خطاب کے بعد امیرِ محترم نے خواتین کے تحریری سوالات کے جوابات بھی دیئے ۔

امارات میں بحمداللہ جمعیت خدام القرآن کی شاخیں دوبئی ، شارقہ اور رأس الخیمہ میں قائم ہو چکی ہیں اور وہاں پر تنظیم کا کام بھی بڑی خوش اسلوبی سے انجام پا رہا ہے ۔ ان مقامات کے رفقاء کی پرزور فرمائش تھی کہ اپنے ابوظہبی کے قیام کے دوران امیرِ محترم کم از کم ایک ایک مرتبہ ضرور ان جگہوں پر تشریف لائیں ۔ امیرِ محترم کی ناسازیٔ طبع اور وقت کی کمی کے باوجود یہ فیصلہ کیا گیا کہ اگر یہ تنظیمیں اپنی اپنی امارت میں جمعہ کے خطابات کے لیے انتظام کر لیں تو امیرِ محترم جمعہ کے روز صبح کے وقت یہاں سے نکل چلا کریں گے اور نمازِ جمعہ ادا کر کے واپس ابوظہبی کے لیے روانہ ہو جایا کریں گے ۔ چنانچہ سب سے پہلے جمعیت خدام القرآن شارقہ نے انڈسٹریل ایریا کی مسجد میں جمعہ کا انتظام کیا ۔ امیرِ محترم کے ہمراہ قریباً ساڑھے گیارہ بجے جب ہم مسجد میں پہنچے تو مسجد کا اندرونی ہال اور برآمدہ مکمل طور پر بھر چکا تھا ۔ ایک اندازے کے مطابق حاضرین کی تعداد دو ہزار کے قریب تھی ۔ نمازِ جمعہ کے بعد مقامی امیر جناب مشتاق احمد کی دعوت پر امیرِ محترم جمعیت خدام القرآن شارقہ کے دفتر تشریف لے گئے ، جہاں قریباً ستر اسّی آدمی موجود تھے ۔ یہاں امیرِ محترم نے حاضرین کے مختلف سوالات کے جوابات دیئے ۔ خطاب جمعہ کے وقت مکتبہ کا انتظام بھی کیا گیا تھا جہاں کتب اور کیسٹس کی ایک بڑی تعداد فروخت ہوئی ۔

ابوظہبی اور شارقہ کے درمیان فاصلہ ایک سو اسّی کلومیٹر ہے ۔ اس دو طرفہ سفر ، خطاب جمعہ اور نیند کی کمی سے امیرِ محترم کی صحت فوری طور پر متأثر ہوئی ۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ دورۂ ترجمۂ قرآن کے دوران امیرِ محترم باہر تشریف نہیں لے جائیں گے ۔ اس فیصلہ سے دوبئی اور رأس الخیمہ کے رفقاء کو بہت مایوسی ہوئی لیکن معاملہ چونکہ امیرِ محترم کی صحت کا تھا اس لیے سب نے اس فیصلے کو صبر کے ساتھ قبول کر لیا ۔

ابوظہبی تنظیم کے امیر جناب نسیم الدین صاحب نے جمعیت خدام القرآن ابوظہبی کے

دفتر میں تمام رفقائے تنظیم اسلامی کے ایک اجتماع کا انتظام کیا جس میں امیر محترم آخر وقت تک موجود رہے اور رفقاء کے ساتھ کھل کر تبادلہ خیالات کیا۔ رفقاء کو امیر محترم کے ماضی قریب کے بیانات اور سیاسی تجزیوں کے بارے میں کچھ اشکالات تھے، چنانچہ امیر محترم نے بڑے صاف اور سادہ الفاظ میں اپنے سیاسی فکر کو واضح کیا۔ اور مشورہ دیا کہ ہر رفیق ماہنامہ "میثاق" اور حکمت قرآن کا مطالعہ گہری نظر سے کرے تاکہ جس طریقے سے وہ ان کے دینی فکر سے واقف ہے اسی طریقے سے وہ ان کے سیاسی اور عمرانی فکر سے بھی اچھی طرح واقف ہو۔

ابوظہبی میں قیام کے دوران امیر محترم کا یہ معمول رہا کہ عمومی ملاقاتوں کے لیے نماز عصر کے بعد کچھ دیر تک باہر بیٹھتے۔ ایسی ملاقاتوں اور تعارف کے لیے دو خصوصی اجتماعات بھی منعقد کئے گئے، جن میں تنظیم کی دعوت سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو افطار کے لیے مدعو کیا گیا۔ اس طرح ان حضرات کو امیر محترم کے ساتھ وقت گذارنے، انہیں قریب سے دیکھنے اور ان کے خیالات سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ ان اجتماعات میں رفقائے تنظیم اور اراکین جمعیت مدعو نہیں تھے۔

امیر محترم کے سفر ابوظہبی میں ان کے ہمراہ ان کی اہلیہ محترمہ کی آمد کا پروگرام بھی طے تھا، چنانچہ ان کے لیے ویزہ وغیرہ کا انتظام بھی کیا گیا تھا، لیکن امیر محترم بوجوہ اکیلے ہی تشریف لائے تھے۔ ان کی اہلیہ محترمہ بعد ازاں ۱۹۔ اپریل کو تشریف لائیں۔ دوبئی ایئرپورٹ پر امیر محترم، نسیم الدین صاحب اور ان کی اہلیہ کے علاوہ دوبئی سے ظفر اقبال صاحب اور ان کی اہلیہ بھی استقبال کے لیے موجود تھے۔ وقت کی کمی کے باعث دوبئی میں رکے بغیر ابوظہبی کے لیے روانگی ہوئی اور بعد نماز ظہر جمعیت خدام القرآن کے دفتر پہنچے۔ ابوظہبی میں امیر محترم کی اہلیہ کے شب و روز بڑے مصروف گذرے۔ ظہر سے عشاء تک کا وقت نسیم الدین صاحب کی رہائش گاہ پر ان کی اہلیہ اور والدہ کے ساتھ گذرتا، جہاں بہت سی دوسری خواتین بھی ان سے ملاقات کے لیے آجاتیں۔ نماز عشاء کے وقت سب خواتین مسجد مرکز پاکستان میں پہنچ جاتیں۔ امیر محترم کی اہلیہ کی آمد کے بعد مسجد میں خواتین کی تعداد میں خاصا اضافہ ہو گیا۔

مسجد مرکز پاکستان کے امام قاری حنیف ڈار صاحب کی کوششوں اور مرکز کی انتظامیہ کے تعاون سے یہاں امیر محترم کے خطباتِ جمعہ کی اجازت بھی حاصل کر لی گئی۔ امیر محترم نے جمعہ کے ایک خطاب میں ملتِ اسلامیہ کے اس مرض کی تشخیص کی کہ آج دنیا میں مسلمان اتنے ذلیل و خوار کیوں ہیں اور دوسرے خطابِ جمعہ میں دوا تجویز کی کہ اس ذلت و انحطاط کے گڑھے سے آخر کیسے نکلا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں خطابات ایسے پُر تاثیر تھے کہ حاضرین کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ دونوں خطابات میں حاضری غیر معمولی رہی اور مسجد کے باہر دو زاید شامیانوں کے انتظام کے باوجود لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے دھوپ میں نماز ادا کی۔ دونوں خطابات کے آڈیو، ویڈیو کیسٹس بھی تیار کیے گئے۔

ابوظہبی میں قیام کے دوران امیر محترم سے بہت اخبارات اور دیگر خبر رساں ایجنسیوں مثلاً روزنامہ خلیج ٹائمز، روزنامہ جنگ، رائس الخیمہ ریڈیو اور اے پی نیوز ایجنسیز وغیرہ نے انٹرویو لیے، جن میں سے بعض امیر محترم کی موجودگی ہی میں شائع ہو گئے تھے اور بعض اب آ رہے ہیں۔

امیر محترم جس مشن پر ابوظہبی تشریف لائے تھے یعنی دورۂ ترجمۂ قرآن وہ رمضان المبارک کی پچیسویں شب کو تکمیل پذیر ہوا ——— نماز تراویح کے بعد

امیر محترم نے دورۂ ترجمۂ قرآن کے شرکاء کو یہ سعادت نصیب ہونے پر مبارک باد دی۔ اس کے بعد فرائضِ دینی کے جامع تصور پر ایک فکر انگیز پُر تاثیر خطاب فرمایا، چونکہ یہ دورۂ ترجمہ کے پروگرام کا آخری دن تھا اور امیر محترم کو اگلے روز پاکستان کے لیے روانہ ہونا تھا، لہٰذا جمعیت خدام القرآن کے دفتر میں رفقاء و احباب کی اچھی خاصی تعداد ملاقات کے لیے جمع تھی۔ ان میں سے کچھ حضرات وہ بھی تھے جو تنظیم اسلامی کے قافلہ میں اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے شامل ہونا چاہتے تھے۔ رات اگرچہ کافی بیت چکی تھی اور امیر محترم بھی خاصے تھک چکے تھے، لیکن انہوں نے ان سینتیس (۳۷) حضرات سے سمع و طاعت اور ہجرت و جہاد کی بیعت لے کر انہیں اپنے قافلہ میں شامل کیا۔ رفقاء نے بھی بیعت کے الفاظ ساتھ ساتھ دہرا کر تجدیدِ عہد کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کے ساتھ یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔

دورۂ ترجمۂ قرآن کی تکمیل کے فوراً بعد امیر محترم پاکستان واپس تشریف لے

جانا چاہتے تھے، چنانچہ اگلے ہی روز بعد نماز ظہر دوبئی کے لیے روانگی کا پروگرام طے ہوگیا۔ اس موقع پر نئے اور پرانے رفقائے تنظیم اور اراکین جمعیت کی ایک بڑی تعداد الوداع کہنے کے لیے موجود تھی۔ امیر محترم کی اس چھبیس روزہ رفاقت نے ان کے ساتھ ہمارے عقیدت و محبت کے جذبات میں بے پناہ اضافہ کر دیا تھا اور اب مفارقت کے وقت ہماری جو کیفیت تھی اسے الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ پرنم آنکھوں کے ساتھ سب ایک ایک کر کے گلے مل رہے تھے۔ سب سے ملنے کے بعد امیر محترم اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ نسیم الدین صاحب کی گاڑی میں دوبئی کے لیے روانہ ہوئے۔ اس الوداعی سفر میں تین مزید گاڑیاں بھی ہمراہ تھیں۔ نسیم الدین صاحب انتہائی تیز رفتاری سے اپنی گاڑی کو اڑائے لیے جا رہے تھے تاکہ امیر محترم کو نماز عصر سے قبل کچھ دیر آرام کرنے کا موقع مل جائے، لیکن دوبئی کی حدود میں داخل ہوتے ہی گاڑی کا ایک ٹائر دھماکے سے پھٹ گیا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ ۱۵۰/۱۶۰ کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار کے باوجود گاڑی کسی بڑے حادثے سے محفوظ رہی۔ کچھ دیر بعد باقی گاڑیاں بھی وہاں پہنچ گئیں اور سب نے اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی پر اس کا شکر ادا کیا۔ پہیہ تبدیل کیا گیا اور نماز عصر سے قریباً بیس منٹ قبل ہم ظفر اقبال صاحب کے فلیٹ پر پہنچ گئے۔ نمازِ عصر کے بعد پروگرام کے مطابق پاکستان اسکول کی مسجد میں اجتماع منعقد ہوا جس میں ایک ہزار کے قریب افراد نے امیر محترم کے خطاب سے استفادہ کیا۔ یہاں مکتبہ بھی لگایا گیا جہاں سے لوگوں نے بڑے ذوق و شوق سے کتابیں اور کیسٹس خریدیں۔

دوبئی سے لاہور کے لیے پی آئی اے کی پرواز کا وقت رات ساڑھے گیارہ بجے تھا، چنانچہ کھانے سے فارغ ہو کر سامان وغیرہ ایئرپورٹ بھیج دیا گیا اور امیر محترم انہیں رخصت کرنے کے لیے آنے والے رفقاء و احباب سے گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ امیر تنظیم اسلامی راس الخیمہ جناب طفیل گوندل صاحب نے اس محرومی پر خاصے افسوس کا اظہار کیا کہ امیر محترم وہاں تشریف نہ لا سکے۔ اس گفتگو کے دوران شارقہ اور دوبئی کے چند حضرات نے بیعت بھی کی۔ دس بجے ایئرپورٹ سے ٹیلیفون آیا کہ پائلٹوں کی ہڑتال کے باعث جہاز نہیں آ سکا۔ فون پر کراچی رابطہ کرنے پر معلوم ہوا کہ جہاز کے آنے کا فی الحال کوئی انتظام نہیں۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ امیر محترم نے جناب مشتاق بیگ صاحب اور نسیم الدین صاحب سے کہا کہ وہ اب ابوظہبی تشریف لے جائیں۔ چنانچہ دونوں حضرات اور ان کی خواتین دل میں یہ

ملاں لیے رخصت ہوگئے کہ انہیں امیر محترم کو ایئرپورٹ تک چھوڑنے کی سعادت حاصل نہ ہو سکی۔ دوسرے دن جناب ظفر اقبال صاحب بڑی تگ و دو کے بعد امیر محترم اور ان کی اہلیہ محترمہ کو کراچی کی ایک پرواز پر بٹھانے میں کامیاب ہو سکے۔ (رپورٹ: محمد خالد ابو ظبی)

بقیہ: عرض احوال

دوران کراچی شہر میں چار اور اسلام آباد میں سال بھر میں چھ پروگراموں کے لیے وقت ضرور نکالا جاتے گا ____ لیکن رفقاء کے علم میں ہوگا کہ تین ماہ قبل جب اسلام آباد میں شام الہدیٰ کا پروگرام طے پاگیا تھا اور تقریر کے لیے "اسلام کا نظریۂ مساواتِ مرد و زن" کے عنوان کا اعلان بھی کر دیا گیا تھا تو عین وقت پر مقامی انتظامیہ نے یہ کہہ کر پروگرام میں رکاوٹ ڈال دی کہ اس کے لیے ضلعی انتظامیہ سے این او سی حاصل کرنا ضروری ہوگا۔ اور چونکہ وقت اتنا کم تھا کہ این۔ او سی کا انتظام نہیں کیا جا سکتا تھا لہٰذا پروگرام منسوخ کرنا پڑا ____ اس سے اگلے ماہ بھی یہی حربہ دہرایا گیا اور شرط عائد کر دی گئی کہ سیاسی معاملات کو موضوع نہ بنایا جاتے اور پھر جب پروگرام کی تاریخ کا اعلان ہو گیا تو مقامی انتظامیہ نے عذرات لنگ کا سہارا لے کر کمیونٹی سنٹر کی بکنگ کو منسوخ کر دیا۔ ان حالات میں امیر محترم کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ مقامی انتظامیہ کی عائد کردہ پابندیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے خود کو درس قرآن کے لیے آمادہ کر سکیں۔ لہٰذا اسلام آباد میں 'شام الہدیٰ' کے پروگرام کو فی الحال معطّل رکھنے ہی کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

عَنِ الحَارِثِ الاشعری، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

"أُمِرُكُمْ بِخَمْسٍ

بِالْجَمَاعَةِ۱ وَالسَّمْعِ۲ وَالطَّاعَةِ۳ وَالْهِجْرَةِ۴ وَالْجِهَادِ۵ فِي سَبِيلِ اللهِ"

ضرورتِ رشتہ

راجپوت گھرانے کی ۲۴ سالہ ایم۔ اے اسلامیات دوشیزہ کے لیے دینی ذہن رکھنے والے تعلیم یافتہ برسرِ روزگار نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ۔ معرفت ماہنامہ میثاق ۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ ۵۴۷۰۰

دینی تعلیم اور سوچ کے حامل ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان کے لیے جو آجکل حصولِ تعلیم (پی۔ ایچ۔ ڈی۔ الیکٹریکل انجینیئرنگ) کی خاطر امریکہ میں عارضی مقیم ہیں، ہم پلہ، خوبصورت، کم از کم گریجویٹ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ صاف گوئی، راست معاملگی، رسومات سے اجتناب، اسلامی ذہن اور سوچ ہماری اوّلین شرائط ہیں۔

رابطہ: معرفت ماہنامہ "میثاق" ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور۔

تنظیم اسلامی سے وابستہ ۲۸ سالہ لڑکے کے لیے دیندار گھرانے کی خوبصورت، نیک سیرت لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ ذات کی کوئی قید نہیں۔ جہیز قطعاً نہیں چاہیئے۔ لڑکے کا ذریعۂ معاش کاروبار اور ماہانہ آمدنی چار ہزار روپے ہے۔

رابطہ: معرفت صغیر احمد۔ مرکزی دفتر تنظیمِ اسلامی
گڑھی شاہو۔ علامہ اقبال روڈ۔ لاہور

"تنظیم اسلامی کا رفیق، راجپوت فیملی کے کھاتے پیتے گھرانے کا ۳۰ سالہ نوجوان جو بی اے۔ بی ایڈ ہے اور گورنمنٹ ہائی سکول میں بطور مدرس تعنیات ہے۔ مذکور دونوں ٹانگوں سے معذور ہے اور بیساکھیوں کے سہارے چلتا ہے۔ فرنیچر کی مرمت، بجلی اور جلد سازی میں ماہر ہے۔ ضلع میرپور، آزاد کشمیر کا رہنے والا ہے۔ موزوں رشتہ کے خواہش مند رجوع کریں۔

سیّد محمد آزاد۔ موضع گورسیاں۔ ڈاکخانہ جاتلاں۔ ضلع میرپور۔ آزاد کشمیر۔

سیرتِ رسولؐ کا حیات آفریں مرقع

رحمۃ للعالمین نمبر جلد دوم

علم و حکمت کا لازوال خزانہ

- عہدِ نبوی کے نظامِ حکمرانی کے تمام پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ
- دنیا کے پہلے دستور اور پہلی اسلامی مملکت کی تاریخی روداد
- سرورِ کونین کے اصولِ سیاست اور اندازِ سفارت
- رحمۃ للعالمینؐ کے حضور قائدِ اعظمؒ کا نذرانۂ عقیدت
- منظوم چہل حدیث اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ دعائیں
- عہدِ رسالتمآبؐ میں صلح و جنگ کی مثالی تصویریں

اُردو ڈائجسٹ

مئی ۸۹ء ملاحظہ کیجیے

اسلامک جنرل نالج ورکشاپ

طلبہ کے لیے بامقصد انداز میں چھٹیاں گزارنے کا پروگرام

ان شاء اللہ تعالیٰ بروز منگل مورخہ ۱۸ر جولائی سے جمعرات ۱۰ر اگست ۱۹۸۹ء تک قرآن اکیڈمی میں طلبہ کے لیے ایک اسلامک جنرل نالج ورکشاپ منعقد ہوگی۔
بیرون لاہور کے طلبہ کے لیے ہوسٹل کی سہولت موجود ہے ذہین اور مستحق طلبہ کے لیے رجسٹریشن فیس اور ہوسٹل اخراجات میں رعایت کی گنجائش ہے۔
تفصیلات کے لیے پراسپکٹس طلب کریں۔

سات روزہ بین الاقوامی مسلم تربیتی کیمپ

تنظیم اسلامی شمالی امریکہ کے زیر اہتمام مسلم خاندانوں کے لیے

ایک دعوتی و تربیتی کیمپ ۲۰ تا ۲۶ اگست ۱۹۸۹ء

ریاست مشی گن میں ڈیٹرائٹ (DETROIT) شہر کے نواح میں ملفورڈ (MILFORD) کے مقام پر منعقد ہو رہا ہے۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

کیمپ کے مرکزی مقرر اور مہمانِ خصوصی ہونگے۔

کیمپ کا موضوع "اسلامی طریقِ حیات اور بحیثیتِ مسلمان ہماری ذمہ داریاں"

(ISLAMIC WAY OF LIFE AND OUR OBLIGATIONS AS MUSLIMS)

ہوگا۔ موضوع کی مناسبت سے لیکچرز، ورکشاپس اور سوال و جواب کی نشستوں کے علاوہ دینی دلچسپی کے دوسرے پروگراموں کا اہتمام کیا جائے گا۔ بچوں اور عورتوں کے لیے خصوصی پروگرام تشکیل دیئے گئے ہیں۔

کیمپ میں پاکستان، بھارت، مشرق وسطیٰ، یورپ، کینیڈا اور امریکہ سے احباب کی شرکت متوقع ہے۔ جگہ محدود ہونے کے باعث شرکت کے خواہشمند حضرات سے درخواست ہے کہ وہ رجسٹریشن فارم جلد از جلد ارسال فرمائیں۔ ۳۰ جون کے بعد موصول ہونیوالے فارم قبول نہیں کیے جائیں گے۔ رجسٹریشن فیس اور دیگر اخراجات بڑوں کیلئے ۱۱۰ امریکی ڈالر، طلباء کیلئے ۷۵ امریکی ڈالر اور ۵ سے ۱۴ سال کی عمر کے بچوں کیلئے ۵۵ امریکی ڈالر ہونگے۔ ۵ سال سے کم عمر کے بچے مفت شامل ہو سکیں گے۔ فارم داخلہ ہمراہ رجسٹریشن فیس بھجوانے اور مزید معلومات کے لیے درج ذیل پتے پر رابطہ کریں:

MR. RASHID A. LODHI,
14461 MAISANO DR. STERLING HGTS.
MICHIGAN 48077. TEL.(313)977-8081.

ہر محفل کا میزبانِ خصوصی
رُوح افزا
تقریب کی نوعیت پر منحصر نہیں۔ کوئی موقع ہو، کیسی ہی محفل ہو،
ضیافت اور مہمان نوازی کے لیے رُوح افزا پیش پیش۔
فرحت، تازگی اور توانائی کے لیے بے مثال
رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں لازوال۔
ہر محفل کا میزبانِ خصوصی
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
روحِ پاکستان۔ رُوح افزا
راحتِ جان۔ رُوح افزا
خدمتِ خلق رُوحِ اخلاق ہے

PRESTO
FREEZERS

خوب سے خوب تر

PRESTO

Manufactured By
SALEEM SONS

تازہ، خالص اور توانائی سے بھرپور

پاک پیئور®

مکھن اور دیسی گھی

یونائیٹڈ ڈیری فارمز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
(قائم شدہ ۱۸۸۰) لاہور
۲۲- لیاقت علی پاک ۴- بیڈن روڈ- لاہور، پاکستان
فون: ۲۲۱۵۹۸ - ۳۱۲۷۵۴

SV ADVERTISING

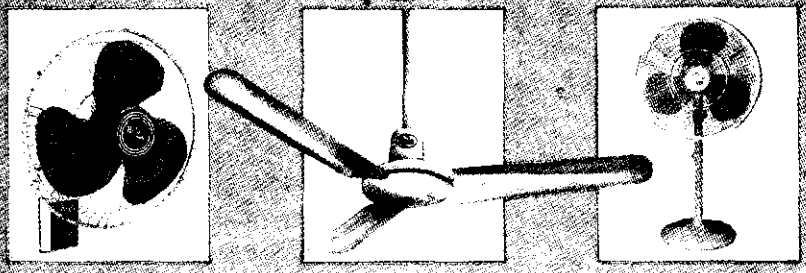

asia
ناقابلِ تردید عالمی معیار 45 سالہ تجربہ اور فنی تحقیق کا نچوڑ
ایشیا پنکھے
بین الاقوامی معیار کی باتھ رُوم فٹنگز کا واحد متبادل
MR DIETER W. GOTTSCHALK
GROHE
GRAVITY CASTING
(DUPLEX)
جہدِ مسلسل ۔ ہماری کامیابی
انور انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
جی ٹی روڈ ۔ گوجرانوالہ فون : 4-52430 ٹیلکس : ANWAR PK 4584
کراچی فون : 239675 لاہور فون : 82581 راولپنڈی فون : 65075

PARAGON

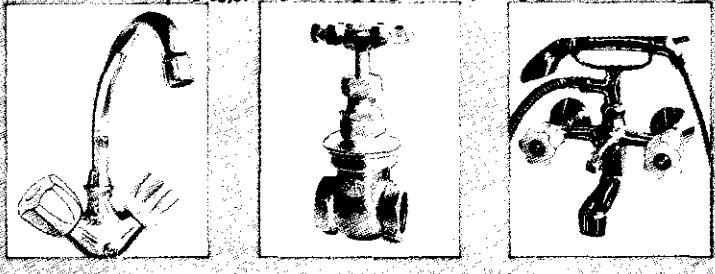

Jawad
Products

We are manufacturing and exporting ready made garments (of all kinds including shirts, trousers, blouses, jackets, uniforms, hospital clothing; kitchen aprons), bedlinen, cotton bags, textile piece goods etc.

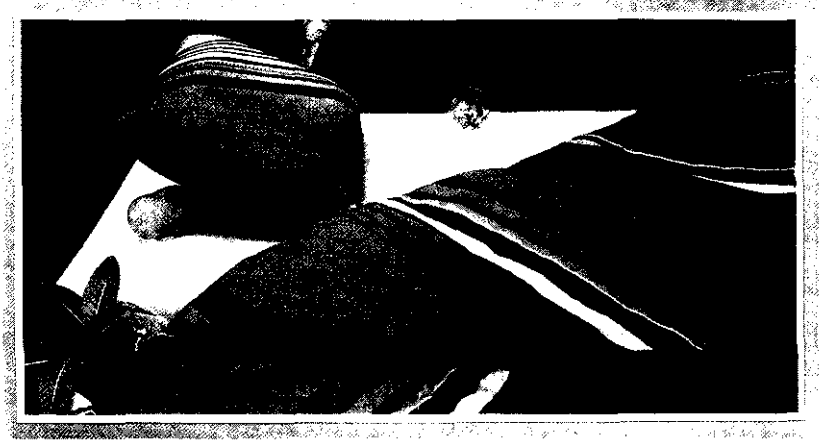

For further details write to :

M/s. Associated Industries (Garments) Pakistan (Private) Ltd.,
IV/C/3-A (Commercial Area),
Nazimabad,
Karachi - 18
Tele : 610220/616018/625594

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd. L. No. 7360
VOL. 38 No. 6
JUNE 1989